کیا حدیث حجت نہیں؟

بقلم
حبیب الرحمٰن اعظمی
استاذ حدیث دار العلوم دیوبند



ناشر
مرکز دعوت و تحقیق دیوبند سہارنپور یوپی

کیا حدیث حجت نہیں؟

بقلم

حبیب الرحمن اعظمی
استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

ناشر
مرکز دعوت و تحقیق دیوبند سہارنپور یوپی

نام کتاب : کیا حدیث حجت نہیں؟

مولف : حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیو بند

سن اشاعت : ۱۴۳۱ھ — ۲۰۱۰ء

ناشر : مرکز دعوۃ وتحقیق دیو بند سہارنپور یوپی

تقدیم

از حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب

استاذ حدیث دار العلوم دیو بند زید مجدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

امابعد! حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب استاذ حدیث دار العلوم دیو بند کا رسالہ ''کیا حدیث حجت نہیں؟'' یہ ایک فاضل محقق کی تحریر ''حدیث اور سنت میں فرق اور حجت سنت ہے حدیث نہیں'' کا علمی جائزہ ہے، جس میں انھوں نے فاضل مذکور کی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کیا ہے، جس کو انھوں نے اگر چہ ایک طالب علمانہ جائزہ کہا ہے، لیکن درحقیقت وہ ایک عالمانہ ومحققانہ جائزہ ہے، اور کمال یہ ہے کہ ان کا قلم کہیں بھی حدِ اعتدال سے خارج نہیں ہوا ہے، جبکہ اس طرح کی مناقشاتی تحریروں میں عام طور پر لکھنے والوں کے قلم جادۂ اعتدال پر قائم نہیں رہ پاتے ہیں۔

میری رائے میں اگر مولانا اعظمی صاحب حاصل بحث کے طور پر فاضل موصوف کے مقالہ میں درآئی غلطیوں کا ترتیب وار تذکرہ کر دیتے تو زیادہ مناسب ہوتا اس سے ہر قاری ایک نظر میں سمجھ جاتا کہ فاضل محقق استنباط مسائل کیلئے سب سے الگ ایک منہاج مقرر کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اس طرح کے منہاج وضع کرنے کی فی زماننا کسی کے اندر صلاحیت نہیں ہے۔ اور عدم صلاحیت کے باوجود اس پر اقدام کرنے والے کے بارے میں شاطبی نے الاعتصام، ج:۲، ص:۲۰۷ میں جو تفصیل پیش کی ہے اسے دیکھ لیا جائے۔

حدیث وسنت مطلقاً بلا کسی شرط کے حجت ہیں، اس لئے کہ حجیت کی بنیاد رسول معصوم ﷺ سے اس کا محض صدور ہے لہٰذا اس کی حجیت کو یوں مشروط کرنا کہ اگر حدیث سے سنت فقہی کا ثبوت ہو رہا ہے، تو حجت اور اگر سنت فقہی کا ثبوت نہیں تو حجت نہیں۔ جیسا کہ فاضل موصوف نے اپنی اس تحریر میں کہا ہے، تو یہ بھی انکار حجیت حدیث میں داخل ہے۔ مسلّم کے شارح لکھتے ہیں "لان بعد اعتقاد صدوره عمن لا ينطق عن الهوى لا معنى لنفى الحجيه" ج:۲،ص:۹۷۔ اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ حجیت حدیث کا اقرار ضروریات دین سے ہے۔

(۱) فاضل محقق جب حجیت حدیث یا حجیت سنت کی بحث کر رہے ہیں تو سب سے پہلے حجیت کے مفہوم کو متعین کرنا چاہئے تھا کیونکہ اس کے متعین ہو جانے کے بعد دوسرے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے بچ جاتے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

(۲) فاضل موصوف جب حجیت حدیث یا حجیت سنت کی بحث کر رہے ہیں تو اس حدیث وسنت سے مراد بالاتفاق ما صدر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولاً، او فعلاً او تقریرًا ہے، اس معنی میں متقدمین ومتاخرین نے حدیث وسنت میں ترادف نقل کیا ہے، جس کو امام نووی وغیرہ محققین علماء سے جائزہ میں تفصیل سے نقل کیا گیا ہے، موجودہ دور کے علماء عبد الفتاح ابوغدہ وغیرہ، نیز الموسوعة الفقهية الكويت میں بھی یہی مذکور ہے۔ اس موقع پر اس معنی کے علاوہ حدیث وسنت کا کوئی اور مفہوم ہو ہی نہیں سکتا ہے کیونکہ حجیت کی صلاحیت یعنی حکم خداوندی کا مظہر بننا اسی قول وفعل وتقریر نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی کے لئے ممکن ہے، رہا حدیث کی تعریف میں صفات واحوال رسول ﷺ کا اضافہ تو حضرات محدثین نے یہ اپنے فن اور موضوع کے لحاظ سے کیا ہے۔

اسی طرح اردو میں بھی جب حجیت حدیث یا حجیت سنت بولا جاتا ہے اور جن علماء نے اس نام سے کتابیں لکھی ہیں اسی طرح مشکوٰۃ اور دورۂ حدیث کی کتابوں کے درس کی ابتداء میں جب اساتذہ حجیت حدیث سے بحث کرتے ہیں تو سب حدیث وسنت سے یہی مراد بیان کرتے ہیں۔ جبکہ فاضل موصوف نے حدیث کی تعریف تو اسی معروف

ومتداول الفاظ سے کی ہے اور سنت کی الگ یعنی "الطریقة المسلوکة" کے الفاظ سے تعریف کی ہے، حالانکہ کسی محدث، فقیہ اور اصولی نے حجیت کے باب میں سنت کی یہ تعریف نہیں کی ہے۔ پھر اس طریقۂ مسلوکہ کی کوئی تشریح اور اس کا کوئی مفہوم بھی بیان نہیں کیا ہے۔

زیر نظر رسالہ میں اس مسئلہ کی پوری توضیح وتشریح کی گئی ہے، جس سے فاضل محقق کی غلط فہمی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

(۳) وہ احکامات جو نبی علی الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت کے قبیل سے ہیں، فاضل موصوف نے انھیں الطریقة المسلوکه سے خارج کر دیا ہے اور جن دلائل سے وہ خصوصی احکام ثابت ہیں انھیں حدیث کہہ کر حجیت سے نکال دیا ہے، تو کیا آنحضور ﷺ کا بطور خاص حضرت خزیمہ کی صرف ایک شہادت کو دو شہادتوں کے قائم مقام قرار دینا، ایک خاص صحابی کو بکری کے بچہ کی قربانی کی اجازت دینا، اسی طرح بعض وہ احکام جو مردوں کے لئے خاص ہیں عورتوں کو ان کا کرنا جائز نہیں، اور بعض وہ احکام جو عورتوں کے حق میں خاص ہیں، مرد انھیں نہیں کر سکتے یہ سب الطریقة المسلوکة سے خارج ہو جائیں گے اور جن دلائل سے یہ ثابت ہیں وہ حجت نہیں ہوں گے؟

آج تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ حکم شرعی یا دلیل شرعی کے لئے اس کا عام ہونا ضروری ہے، لہٰذا کسی فردِ مکلّف کے ساتھ کسی حکم کی تخصیص اس کے حکم شرعی ہونے سے مانع نہیں ہوگی اور نہ وہ دلائل جن سے یہ احکام ثابت ہیں غیر حجت ہوں گے بلکہ کسی کے ساتھ خاص ہونے کا صرف یہ مطلب ہے کہ اس پر دوسروں کا قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

(۴) نیز فاضل محقق نے سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی حجیت کے لئے جو حدیث پیش کی ہے، بربنائے تخصیص وہ بھی ان کی تحریر کے بموجب الطریقة المسلوکه میں داخل نہیں ہوگی اور سنت کی بجائے حدیث ہی ہوگی تو وہ اس حدیث سے حضرات خلفاء اربعہ کی سنت کی حجیت کس طرح ثابت کر رہے ہیں، الغرض فاضل محقق نے حدیث کی حجیت کے سلسلہ میں یہ جو نئی راہ ایجاد کی ہے اس میں وہ خود تضاد کے

شکار ہیں، اس لئے جائزہ نویس کا یہ کہنا کہ موصوف کی یہ تحریر وہم وایہام کا ایک مجموعہ ہے بالکل درست ہے، میں نے زیر نظر جائزہ کو مکمل دیکھا ہے اس میں مذکور جملہ مباحث مدلل اور مستند ہیں اور نہایت مناسب وسنجیدگی کے ساتھ فاضل محقق کی علمی وفکری غلطیوں کو واضح کردیا ہے فجزاهُ الله عن العلم والعلماء خير جزاء. اللّٰهم ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعه، ارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه، والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله واصحابه اتباعه اجمعين.

(حضرت مولانا) نعمت اللہ (صاحب)
استاذ حدیث دار العلوم دیوبند
۱۸؍شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین، الذي شرّع لنا أحکامهٗ، وارسل إلینا رسوله سیدنا وسندنا محمدًا صلی اللّٰہ علیه وسلم بالهدی ودین الحق لیبیّن للناس ما نزّل إلیهم، أما بعد:

حجیت حدیث وسنت

کتاب وسنت یعنی قرآن وحدیث ہمارے دین ومذہب کی اولین اساس وبنیاد ہیں، پھران میں کتاب الٰہی اصل اصول ہے اوراحادیث رسول اس کی تبیان وتفسیر ہیں۔ خدائے علیم وخبیر کا ارشاد ہے "وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ" (الآیة) اور ہم نے اتارا آپ کی طرف قرآن؛ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے خوب واضح کردیں۔

فرمان الٰہی سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مقصد عظیم قرآن محکم کے معانی ومراد کا بیان اور وضاحت ہے، آپ ﷺ نے اس فرض کو اپنے قول وفعل وغیرہ سے کس طور پر پورا فرمایا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے ایک مختصر مگر انتہائی بلیغ جملہ میں یوں بیان کیا ہے "کان خلقه القرآن" یعنی آپ کی برگزیدہ ہستی مجسم قرآن تھی، لہٰذا اگر قرآن حجت ہے (اور بلا ریب وشک حجت ہے) تو پھر اس میں بھی کوئی تردد وشبہ نہیں ہے کہ اس کا بیان بھی حجت ہوگا، آپ نے جو بھی کہا ہے، جو بھی کیا ہے، وہ حق ہے، دین ہے، ہدایت ہے، اور نیکی ہی نیکی ہے، اس لئے آپ

کی زندگی جو مکمل تفسیر کلام ربانی ہے آنکھ بند کر کے قابل اتباع ہے "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" خدا کا رسول تمہارے لئے بہترین نمونہ عمل ہے، علاوہ ازیں آپ ﷺ کو خدائے علی وعزیز کی بارگاہ بے نہایت سے رفعت و بلندی کا وہ مقام بلند نصیب ہے کہ ساری رفعتیں اس کے آگے سرنگوں ہیں حتی کہ آپ کے چشم وابرو کے اشارے پر بغیر کسی تردد وتوقف کے اپنی مرضی سے دستبردار ہو جانا معیار ایمان واسلام ٹھہرایا گیا ہے۔ وَمَا کَانَ لمؤمِنٍ وَلَا مُومِنَۃٍ اِذا قَضی اللّٰہُ ورَسُولُہ اَمرًا ان یکون لھم الخِیَرَۃ من امرھم کسی مومن مرد وعورت کو گنجائش نہیں ہے جب اللہ اور اس کا رسول کوئی حکم دے تو پھر ان کے لئے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے۔ ربّ علیم وعزیز کی ان واضح ہدایات کے بعد بھی کیا کسی کو یہ حق پہنچ سکتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال میں اپنی جانب سے تقسیم وتفریق کرے کہ یہ ہمارے لئے حجت ہے، اور یہ حجت نہیں ہے۔

نیز رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

الا انی اُوتیت الکتاب ومثله معهٗ الا یوشِكُ رجلٌ شَبعَانُ علی اریکته یقول: علیکم بهذا القرآن، فما وجدتم فیه من حلال فاحلّوه، وما وجدتم فیه من حرام فحرّموه، الا لا یحلّ لکم الحمار الاهلی، ولا ذی ناب من السبع، ولا کل ذی مِخلب من الطیر" الحدیث (رواه ابوداؤد في السنن في کتاب السنة والاطعمة)(۱)

بغور سنو! مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن دیا گیا ہے، اور قرآن کے ساتھ قرآن ہی جیسی (یعنی حدیث وسنت بھی) دی گئی ہے، خبردار رہو! قریب ہے کہ کوئی آسودہ حال

(۱) یہ حدیث بہت سی کتب حدیث میں بایں الفاظ مروی ہے:

عن المقدام بن معدی کرب الکندی، اَنّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حرّم اشیاء یوم خیبر: الحمارَ وغیره ثم قال: یوشك الرجل متکئاً علی اریکته یُحدَّث بحدیث فیقول بیننا وبینکم کتاب اللّٰه ما وجدنا فیه من حلال استحللناه وما وجدنا فیه من حرام حرمناه، الا وان ما حرّم رسول اللّٰه فهو مثل ما حرّم اللّٰه (سنن الدارمی باب السنة قاضیة علی کتاب اللّٰه ج:۱، ص:۱۵۲)

شخص اپنی آراستہ سیج پر بیٹھا کہے گا، اسی قرآن کولازم پکڑو پس جو چیز اس میں از قبیل حلال پاؤ اسے حلال جانو، اور جو اس میں از قبیل حرام پاؤ اسے حرام جانو، خبردار تمہارے لئے گھریلو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ ہی شکاری درندہ اور نہ ہی شکاری پرندہ حلال ہے (حالانکہ صراحت سے ان جانوروں کے حرام ہونے کا ذکر قرآن میں نہیں ہے)

اس حدیث سے درج ذیل امور معلوم ہوئے:

(الف) قرآن ہی کی طرح احادیث بھی منجانب اللہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی گئی ہیں، (ب) قرآن کی طرح احادیث بھی احکام میں حجت ہیں، (ج) اور قرآن ہی کی طرح ان کی اتباع اوران پر عمل لازم ہے۔

قرآن وحدیث کی ان تصریحات کے مطابق، حضرات صحابہ، تابعین، محدثین، فقہائے مجتہدین اور تمام علمار اہل سنت والجماعت حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حجیت اوراس کی تشریعی حیثیت پر بصیرت کے ساتھ یقین رکھتے ہیں، اہل اسلام کے کسی گروہ، یا فرد نے جب کبھی بھی حدیث پاک کی اس شرعی حیثیت پر ردوقدح کی ہے تو اسے یکسر مسترد کردیا گیا ہے۔

غرضیکہ علمار حق کا یہی جادۂ متوارثہ ہے۔ اپنے تمام اساتذہ کو بھی اسی موقف پر پایا، اوراب تک اس موضوع پر جن کتابوں کے مطالعہ کی توفیق ملی وہ تقریبا ایک درجن سے زائد ہیں ان میں صرف فرقہ قرآنیہ کے بعض مصنّفین کی دوایک کتابوں کے علاوہ سب میں قابل قبول قوی دلائل کے ساتھ حجیت حدیث کے مذہب منصور کا اثبات اور تائید وتوثیق کی گئی ہے۔ بایں ہمہ ایک ہم عصر مشہور فاضل نے جو اپنی وسیع علمی خدمات کی بنار پر اوساط علمیہ میں اعتبار واستحسان کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اپنی ایک تحریر میں اس بارے میں میرے علم کے مطابق سب سے الگ ایک جدید نقطۂ نظر پیش کیا ہے جو انھیں کے الفاظ میں یہ ہے کہ "حدیث اور سنت میں فرق (ہے) اور حجت سنت ہے حدیث نہیں" زیرنظر تحریر میں اسی نقطۂ نظر کا اپنے علم وفہم کے مطابق جائزہ لیا گیا ہے۔

واللّٰہ ھو الملھم الصواب والسداد، وعلیہ التکلان والاعتماد.

(الف) سنت کا لغوی معنی

١- امام لغت مطرزی متوفی ٦١٠ھ ''لفظ سنن'' کے تحت لکھتے ہیں:

"السنة" الطريقه ومنها الحديث في مجوس هَجَر "سنّوا بهم سنّة اهل الكتاب" اى اسلكوا بهم طريقهم يعنى عاملوهم معاملة هؤلاء في اعطاء الامان باخذ الجزية منهم. (المغرِب، ج:١،ص:٤١٧)

''سنت'' طریقہ کے معنی میں ہے اسی معنی میں مجوسِ ہجر کے بارے میں حدیث ہے "سنّوا بهم سنة اهل الكتاب" ان مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب جیسا طریقہ اختیار کرو یعنی جزیہ لے کر امن دینے کا جو معاملہ اہل کتاب کے ساتھ کرتے ہو یہی معاملہ ان مجوسیوں کے ساتھ کرو۔

٢- امام محی الدین ابوزکریا نووی متوفی ٦٧٦ھ لفظ ''السنۃ'' کے تحت رقمطراز ہیں:

"سنة النبي صلى الله عليه وسلم أصلها الطريقه، وتطلق سنته صلى الله عليه على الأحاديث المروية عنه صلى الله عليه وسلم، وتطلق السنة على المندوب، قال جماعة من أصحابنا في أصول الفقه: السنة، والمندوب، والتطوع، والنفل، والمرغب، والمستحب كلها بمعنى واحد وهو ما كان فعله راجحاً على تركه ولا إثم على تركه" (تہذیب الاسماء واللغات، ج:٣،ص:١٥٦)

سنت کا اصل معنی طریقہ ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ اصطلاحاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث پر بولا جاتا ہے نیز سنت کا اطلاق امر مستحب پر بھی ہوتا ہے ہمارے شوافع فقہائے اصول کی ایک جماعت کا قول ہے کہ سنت، مندوب، تطوع، نفل، مرغّب، اور مستحب یہ سب الفاظ ایک معنی میں ہیں یعنی وہ فعل جس کا کرنا نہ کرنے پر راجح ہے اور اسے چھوڑ دینے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

٣- ماہر لغت ابن المنظور متوفی ٧١١ھ اپنی گرانقدر تصنیف ''لسان العرب'' میں لکھتے ہیں:

وقد تكرر في الحديث ذكر السنة وما تصرّف منها، والأصل فيه الطريقة، والسيرة، واذا اطلقت في الشرع فإنما يراد بها ما أمر به النبي صلى الله عليه وسلم ونهى عنه وندب إليه قولاً وفعلاً مما لم ينطق به الكتاب العزيز ولهذا يقال في أدلة الشرع الكتاب والسنة أي القرآن والحديث (فصل السين حرف النون، ج:١٧، ص:٨٩)

سنت اور اس کے مشتقات کا ذکر حدیث میں بار بار آیا ہے، اس کا اصل معنی طریقہ اور چال چلن کے ہے، اور شرع میں جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ کام لیا جاتا ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، یا جس سے منع کیا، یا جس کی اپنے قول وفعل کے ذریعہ دعوت دی جن کے بارے میں کتاب عزیز نے (صراحت) سے کچھ نہیں کہا ہے، اسی بنا پر دلائل شرعیہ (کے بیان) میں کہا جاتا ہے "الکتاب والسنة" یعنی "قرآن وحدیث"۔

علامہ ابن المنظور کے کلام میں "ما أمر به النبي صلى الله عليه وسلم ونهى عنه" عام ہے جس میں امر وجوبی، وغیر وجوبی اور نہی تحریمی وغیر تحریمی سب داخل ہوں گی۔

۴- المعجم الوسیط مادہ سنن میں ہے:

السَّنَن، الطريقة والمثال يقال بنوا بيوتهم على سنن واحد... والسنة الطريقة والسيرة حميدة كانت او ذميمة، وسنة الله حكمه في خليقته، وسنة النبي صلى الله عليه وسلم: ما ينسب إليه من قول او فعل او تقرير، "وفي الشرع" العمل المحمود في الدين مما ليس فرضاً ولا واجباً" (ص:٢٥٦)

سنن طریقہ اور مثال کے معنی میں ہے اسی معنی میں بولا جاتا ہے "بنوا بيوتهم على سنن واحد" یعنی اپنے گھروں کو ایک طریقہ اور ایک نمونہ پر بنایا... اور سنت بمعنی طریقہ اور طرز زندگی ہے یہ طریقہ خواہ محمود ہو یا مذموم، اور "سنت اللہ" کا معنی اللہ کا اپنی مخلوق کے متعلق فیصلہ کے ہیں، اور سنت رسول سے مراد وہ قول وفعل اور تقریر ہیں جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں، اور فقہ میں یہ لفظ دین میں اس پسندیدہ عمل پر بولا جاتا ہے جو فرض واجب نہیں ہیں۔

(ب) حدیث کا لغوی معنی

۱-لسان العرب میں ہے:

الحدیث نقیض القدیم... والحدیث كون الشيء لم یكن. ... والحدیث الجدید من الاشیاء، والحدیث الخبر یأتي علی القلیل والكثیر والجمع أحادیث (ج:۲،ص:۴۳۶،۴۳۸فصل الحاء حرف الثاء)

حدیث قدیم کا نقیض (یعنی مقابل مخالف) ہے، حدیث شئ کا ہو جانا جو پہلے نہیں تھی، بمعنی جدید اور نئی، بمعنی خبر خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، اور جمع احادیث ہے۔

۲-ابن سیدہ متوفی ۴۵۸ھ المخصص میں لکھتے ہیں:

الحدیث الخبر، وقال سیبویه: والجمع أحادیث. (ج:۳،ص:۳۲۳)

حدیث کے معنی خبر کے ہیں اور سیبویہ نے کہا ہے کہ اس کی جمع احادیث ہے۔

۳- علامہ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی متوفی ۱۱۹۱ھ کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھتے ہیں:

الحدیث لغة ضد القدیم ویستعمل في قلیل الكلام و كثیره (۲۷۹)

حدیث قدیم کا ضد ہے، اور کلام قلیل وکثیر میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۴-علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۳ھ لکھتے ہیں:

كل كلام یبلغ الإنسانَ من جهة السمع او الوحي في یقظته أو منامه یقال له حدیث. قال عزّ وجلّ: "وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا

(التحریم:۳،مفردات الفاظ القرآن،ص:۱۲۴)

ہر وہ کلام جو انسان تک پہنچتا ہے کان کی جانب سے یا وحی کی جانب سے بیداری یا خواب کی حالت میں اسے حدیث کہا جاتا ہے۔ اللہ عزّ وجلّ کا ارشاد ہے: واذ اَسرّ

النبیؐ" الآیة اور جب کہ کہی نبی نے اپنی بعض بیوی سے ایک بات۔

علمائے لغت کی مندرجہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ''حدیث'' از روئے لغت، جدید، غیر موجود کا وجود میں آجانا، خبر اور کلام یعنی بات کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

سنت وحدیث کی اس لغوی معنوی تحقیق کے بعد ان ہر دو کی اصطلاحی تعریف ملاحظہ کیجئے، جس کے تحت علمائے حدیث، علمائے اصول فقہ، اور فقہ حنفی کی الگ الگ تعریفات نقل کی جارہی ہیں؛ تاکہ مسئلہ زیر بحث میں ہر جماعت وطبقہ کی اصطلاحات سامنے رہیں اور خلط مبحث سے بچا جاسکے۔ سب سے پہلے حدیث کی تعریف محدثین کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

حدیث محدثین کی اصطلاح میں

شیخ ابوالفیض محمد بن محمد فارسی حنفی المعروف بہ فصیح ہروی متوفی ۸۳۷ھ اپنی مفید تصنیف جواہر الاصول میں حدیث کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

۱- "الحديث، وهو في اللغة ضد القديم، ويستعمل في قليل الكلام وكثيره، وفي اصطلاحهم: قول رسول الله صلى الله عليه وسلم وحكاية فعله وتقريره والسنة ترادفه عندهم" (ص:۱۰)

لغت میں حدیث قدیم کا ضد ہے، اور تھوڑی و زیادہ بات پر بھی حدیث کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اور محدثین کی اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور آپ ﷺ کے فعل وتقریر کی حکایت وبیان حدیث ہے، ان حضرات کے نزدیک سنت، حدیث کے مرادف ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ صحیح بخاری کے باب الحرص علی الحدیث کے تحت لکھتے ہیں:

۲ - "المراد بالحديث في عرف الشرع ما يضاف إلى النبي صلى الله عليه وسلم وكأنّه أريد به مقابلة القرآن لأنه قديم" (فتح الباری، ج:۱،ص:۲۵۷)

حدیث سے مراد شرعی و دینی عرف و اصطلاح میں وہ امور ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں، "ما يضاف إلى النبيﷺ" میں حافظ عسقلانیؒ نے جس عموم کی جانب اشارہ کیا تھا، ان کے تلمیذ رشید حافظ سخاوی نے اپنی ذکر کردہ تعریف میں اسی کی تشریح و توضیح کی ہے۔ "واللہ اعلم"

۳- حافظ سخاوی متوفی ۹۰۲ھ "حدیث" کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں:

"الحديث" لغة ضد القديم، واصطلاحاً: ما أضيف إلى النبي صلى الله عليه وسلم قولاً له أو فعلاً، أو تقريرًا أو صفةً حتى الحركات والسكنات في اليقظة والمنام، فهو أعمّ من السنة... وكثيراً ما يقع في كلام أهل الحديث - ومنهم الناظم - ما يدل لترادفهما" (فتح المغیث، ج:۱،ص:۹)

حدیث لغت میں حادث ونو پید کے معنی میں ہے اور اصطلاح محدثین میں حدیث وہ سب چیزیں ہیں جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب منسوب ہیں (یعنی) آپ ﷺ کا قول، یا فعل، یا آپ کا کسی امر کو ثابت اور برقرار رکھنا، یا آپ کی صفات؛ حتی کہ بیداری اور نیند میں آپ کی حرکت وسکون (یہ سب حدیث ہیں لہٰذا اس تعریف کی رو سے یہ سنت سے عام ہے، (جبکہ) علمائے حدیث (جن میں ناظم یعنی الفیۃ الحدیث کے مصنف حافظ عراقی متوفی ۸۰۶ھ بھی ہیں) کا کلام کثرت سے یوں واقع ہوا ہے، جو حدیث وسنت کے ترادف اور ایک ہونے کو بتارہا ہے۔

نادرۂ روزگار علامہ عبدالحئی فرنگی محلیؒ متوفی ۱۳۰۴ھ حدیث کی تعریف پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۴ - واختلف عباراتهم في تفسير الحديث، فقال بعضهم: ما أضيف إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم قولاً أو فعلاً أو تقريرًا، أو إلى الصحابي، أو إلى التابعي، وحينئذ فهو مرادف السنة، وكثيرا ما يقع في كلام الحفاظ ما يدل على الترادف. وزاد بعضهم أو صفة، وقيل رُوياء أيضاً بل الحركات والسكنات النبوية في المنام واليقظة أيضاً، وعلى هذا فهو أعم من السنة

(ظفر الامانی مع تعلیق علامہ شیخ ابوغدہ، ص:۲۴)

حدیث کی تفسیر وتعریف میں حضرات محدثین کی عبارتیں مختلف ہیں، بعض محدثین یوں تعریف کرتے ہیں وہ قول یا فعل یا تقریر جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں یا صحابی یا تابعی کی طرف ان کی نسبت ہے (وہ حدیث ہے) اس تعریف کی رو سے حدیث، سنت کے مرادف ہوگی اور حفاظ حدیث کے بکثرت کلام وتصرفات دونوں کے مرادف ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اور بعض محدثین نے حدیث کی تعریف میں آنحضرت ﷺ کی صفات، اور خوابوں کا بھی؛ بلکہ بحالت نوم یا بیداری آپ کے حرکات وسکنات کا اضافہ کیا ہے؛ لہٰذا ان کی تعریف کے لحاظ سے حدیث میں سنت کے اعتبار سے وسعت وعمومیت ہوگی۔

سنت محدثین کی اصطلاح میں

حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

۱ - والمراد "بالكتاب" القرآن المتعبد بتلاوته، و"بالسنة" ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم من أقواله وأفعاله وتقريره وما هَمَّ بفعله، والسنة في أهل اللغة الطريقة وفي اصطلاح الأصوليين والمحدثين ما تقدم. (كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، ج:۱۳، ص:۳۰۶)

''الکتاب'' سے مراد قرآن ہے جس کی تلاوت کو عبادت گذاری ٹھہرایا گیا ہے، اور ''السنۃ'' سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال، افعال، تقریر اور وہ چیزیں ہیں جن کے کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد وارادہ فرمایا، اور سنت اصل لغت میں طریقہ کے معنی میں ہے اور علمائے اصول اور علمائے حدیث کی اصطلاح میں یہی ہے جس کا اوپر بیان ہوا۔

حافظ عسقلانیؒ کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ حضرات محدثین اور اصولیین سنت کے اصطلاحی معنی میں متفق ہیں۔

۲- علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی بعینہ انہی الفاظ میں سنت کی تعریف ذکر کی ہے (دیکھئے عمدۃ القاری، ج:۲۵،ص:۲۳ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کی ابتدائی سطور)

۳- حافظ السخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے اپنی نہایت مفید ومحققانہ تصنیف "فتح المغيث بشرح ألفية الحديث للعراقي" میں سنت کی تعریف یہ کی ہے "السنن المضافة للنبي صلى الله عليه وسلم قولاً له أو فعلاً أو تقريرًا، وكذا وصفًا وأيامًا" (ج:۱،ص:۱۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب قول، فعل، تقریر، نیز آپ کی صفات وایام سنت ہیں۔ حافظ سخاویؒ جنھوں نے سنت کی تعریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور آپ سے متعلق تاریخ وواقعات کو بھی شامل کیا ہے، الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ انھوں نے یہی تعریف حدیث کی بھی کی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث وسنت ان کے نزدیک ایک ہی ہیں۔

حدیث وسنت کو ایک معنی میں استعمال کی چند مثالیں

حافظ سخاویؒ اور علامہ فرنگی محلیؒ دونوں حضرات نے صراحت کی ہے کہ ائمہ حدیث کے کلام اور تصرفات سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث وسنت ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، یعنی ان میں باہم نسبت تساوی کی ہے، تباین یا عام، خاص کی نسبت نہیں، ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

۱- امام ابوداؤد سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اہلِ مکہ کے نام اپنے مشہور رسالہ ومکتوب میں اپنی سنن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فإن ذُكر لك عن النبي صلى الله عليه وسلم سُنّة ليس مما خرّجته فاعلم أنه حديث واهٍ" (رسالۃ الامام ابوداؤد السجستانی الی اہل مکۃ فی وصف سنن مع تعلیق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ،ص:۳۴)

''اگر تم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کوئی سنت ذکر کی جائے، جس کی تخریج میں نے (اس کتاب میں) نہیں کی ہے تو جان لو کہ یہ حدیث ضعیف ہے''

امام ابوداؤد کی اس عبارت میں سنت وحدیث کا مرادف وہم معنی ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۲- امام حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی متوفی ۵۸۴ھ ناسخ ومنسوخ کے موضوع پر اپنی نہایت مفید کتاب ''الاعتبار في الناسخ والمنسوخ من الآثار'' میں کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

فهذا كتاب أذكر فيها ما انتهيت إلى معرفته من ناسخ حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ومنسوخه (خطبۃ الکتاب، ص:۳) اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ناسخ ومنسوخ حدیثوں کا ذکر کروں گا، جن کی معرفت تک میں پہنچ سکا ہوں، اسی خطبۂ کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

وإنما أوردنا نبذة منها ليعلم شدة اعتناء الصحابة بمعرفة الناسخ والمنسوخ في كتاب الله وسنة نبيه صلى الله عليه اذ شأنهما واحدة'' (ص:۵)

میں نے یہ چند روایتیں پیش کی ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ قرآن وسنت میں ناسخ ومنسوخ کی معرفت کا صحابۂ کرام کو کس درجہ اہتمام تھا کیونکہ دونوں کی صفت (وجوب عمل میں) ایک ہے۔ پہلی عبارت میں حدیث ناسخ ومنسوخ کا اور دوسری عبارت میں ناسخ ومنسوخ سنت کا لفظ استعمال کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حازمی حدیث وسنت کو ایک معنی میں لیتے ہیں۔

۳- سنت کی لغوی تحقیق میں امام نوویؒ کی یہ عبارت تہذیب الأسماء والصفات کے حوالہ سے اوپر ذکر کی جا چکی ہے۔

وتطلق سنته صلى الله عليه وسلم على الأحاديث المروية عنه صلى

مروی احادیث پر ہوتا ہے۔ امام نوویؒ کی اس عبارت سے سنت وحدیث کا ایک ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۴- شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ حدیث وخبر کے درمیان فرق کے قول کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن ثم قيل لمن يشتغل بالتواريخ وما شاكلها الأخباري، ولمن يشتغل بالسنة النبوية المحدث، وقيل بينهما عموم وخصوص مطلقاً فكل حديث خبر من غير عكس (نزہۃ النظر مع نور القمر،ص:۲۷)

اسی فرق کی بنا پر جو شخص تاریخ یا تاریخ جیسے امور میں اشتغال رکھتا ہے اسے اخباری (مورخ) کہا جاتا ہے اور جو سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں مشغول رہتا ہے اسے محدث کہا جاتا ہے، اور کہا گیا ہے کہ خبر وحدیث میں عموم وخصوص کی نسبت ہے۔ لہٰذا ہر حدیث خبر ہے اور ہر خبر حدیث نہیں ہے۔ اس عبارت میں ایک جگہ سنت اور دوسری جگہ حدیث کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک دونوں ایک ہیں۔

بغرض اختصار صرف چار مثالوں پر اکتفار کیا گیا ورنہ علمائے حدیث کے کلام سے دونوں کے مترادف ہونے کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

عام طور پر متأخرین محدثین حدیث وسنت کی اوپر مذکور یہی تعریف کرتے ہیں، اور اپنے کلام میں عام طور پر دونوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں جیسا کہ اوپر کی بیان کردہ تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے۔

ایک قدیم اصطلاح: علامہ محمد بن جعفر کتّانی متوفی ۱۳۴۵ھ اپنی مشہور اور نہایت مفید تصنیف "الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة" میں کتب سنن کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"ومنها كتب تعرف بالسنن وهي في اصطلاحهم الكتب المرتبة على الأبواب الفقهية من الإيمان والطهارة والزكاة إلى آخرها وليس فيها شيء من

الموقوف لأن الموقوف لا يسمّٰى في اصطلاحهم سنة ويسمى حديثًا" (ص:٢٩)

اوران کتب حدیث میں بعض وہ ہیں جو سنن سے معروف ہیں اور سنن ان کی اصطلاح میں ابواب فقہیہ پر مرتب کتابیں ہیں یعنی ایمان، طہارت، صلاۃ، زکوٰۃ الی آخرہ یعنی اسی ترتیب پر پوری کتاب مرتب ہوتی ہے۔ اور سنن کی کتابوں میں موقوف روایتیں نہیں ہیں؛ کیونکہ ان کی اصطلاح میں موقوف کو سنت نہیں کہا جاتا ہے، بلکہ حدیث کہا جاتا ہے۔

سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے بھی اس اصطلاح کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

السلف أطلقوا الحديث على أقوال الصحابة والتابعين لهم بإحسان وآثارهم وفتاواهم (خلاصہ، ص:۳۳ ملا علی کی شرح شرح نخبۃ الفکر کے صفحہ ۱۵۳ پر ''خبر، حدیث اور اثر'' کے بیان میں کتاب کے محقق نے خلاصہ کی یہ عبارت اپنی تعلیق میں نقل کی ہے)

ائمہ سلف نے ''حدیث'' کا اطلاق صحابہ اور تابعین کے اقوال، آثار اور ان کے فتاویٰ پر کیا ہے۔

غالبًا اسی اصطلاح کے مطابق امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ نے امام سفیان ثوریؒ کی علوم میں جامعیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

الناس على وجوه، فمنهم من هو إمام في السنة وإمام في الحديث، ومنهم من هو إمام في السنة وليس بإمام في الحديث، ومنهم من هو إمام في الحديث ليس بإمام في السنة، فأما من هو إمام في السنة وإمام في الحديث فسفيان الثوري (تقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، ص:۱۱۸)

علماء متعدد صفات کے حامل ہیں، ان میں بعض وہ ہیں جو سنت میں امام ہیں اور حدیث میں بھی امام ہیں، اور ان میں بعض وہ ہیں جو سنت میں امام ہیں اور حدیث میں امام نہیں ہیں، اور ان میں بعض وہ ہیں جو حدیث میں امام ہیں سنت میں امام نہیں ہیں تو

جو سنت اور حدیث دونوں میں امام ہیں وہ سفیان ثوریؒ ہیں۔ یعنی سفیان ثوریؒ احادیث مرفوعہ اور صحابہ وتابعین سے منقول آثار اور فتاویٰ سب میں امام وپیشوا تھے۔

متقدمین ائمہ حدیث کی سنت وحدیث کے بارے میں فرق کی یہ ایک اصطلاح تھی؛ لیکن متأخرین کے یہاں اس اصطلاح کا استعمال نہیں ہے۔ متقدمین ائمہ حدیث اگرچہ سنت وحدیث کے درمیان اصطلاحی طور پر یہ فرق کرتے ہیں؛ لیکن عام طور پر وہ شریعت میں صحابہ کے قول کو بھی حجت مانتے ہیں؛ اس لئے اس اصطلاحی فرق سے ان کی حجیت میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

ایک اور اصطلاح: بہت سے اصولیین اور بعض محدثین بھی سنت وحدیث میں اصطلاحی طور پر یہ فرق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، تقریر اور طریق صحابہ سب پر سنت کا لفظ بولتے ہیں، اور حدیث وخبر کا اطلاق صرف آپ ﷺ کے قول پر کرتے ہیں۔ مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھتے ہیں:

ذكر ابن مَلَك في "شرح منار الأصول" انّ سنة تطلق على قول رسول الله صلى الله عليه وسلم وفعله، وسكوته وطريقة الصحابة، والحديث والخبر مختصان بالأول.

سنت کا اطلاق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، سکوت، اور طریقۂ صحابہ پر کیا جاتا ہے اور حدیث وخبر پہلے (یعنی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ خاص ہیں۔ (ظفر الامانی، ص:۲۴-۲۵)

محقق علاء الدین عبدالعزیز بخاری متوفی ۷۳۰ھ اصول بزدوی کی عبارت "سکاً بالسنة والحدیث" کے تحت لکھتے ہیں:

السنة أعم من الحديث لانها تتناول الفعل والقول، والحديث مختص بالقول" الخ (کشف الاسرار، ج:۱،ص:۵۹)

"سنت"، "حدیث" سے عام ہے کیونکہ سنت فعل وقول (سب کو) شامل ہے اور حدیث قول کے ساتھ خاص ہے۔ یہی تفصیل تلویح اور عضدی میں بھی ہے۔

لفظ سنت وحدیث کے درمیان استعمال کا یہ فرق بھی بس اصطلاح ہی کی حد تک ہے، جس سے ان کی حجیت قطعاً متاثر نہیں ہوگی؛ کیونکہ جو حضرات سنت کو عام معنی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کے معنی میں لیتے ہیں وہ تو اسے حجت مانتے ہی ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو حدیث سے تعبیر کرتے ہیں اور سنت کا اطلاق اس پر نہیں کرتے ہیں وہ بھی اس حدیث قولی کو حجت قرار دیتے ہیں۔

سنت علمائے اصول کی اصطلاح میں

علمائے اصول جن کا موضوع احکام شرعی کے اصول وماٰخذ کا بیان، اور کتاب وسنت کے نصوص سے اخذ معانی وغیرہ کے قواعد وضوابط کی تنقیح وتدوین ہے، جب وہ اپنے موضوع کے مطابق فقہی احکام کے دوسرے مصدر وماٰخذ کی حیثیت سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں تو اپنے فن کے تحت سنت کی تعریف بھی بیان کرتے ہیں بطور نمونہ اصول فقہ کی مستند ومعروف چند کتابوں سے یہ تعریف نقل کی جارہی ہے۔

۱- قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ "منهاج الوصول إلى علم الأصول" میں لکھتے ہیں:

الكتاب الثانى في السنة: وهو قول الرسول صلى الله عليه وسلم او فعله الخ.

کتاب ثانی سنت کے بیان میں اور سنت رسول اللہ ﷺ کا قول یا فعل ہے۔

شیخ جمال الدین اسنوی متوفی ۷۷۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

أقول: السنة لغة هي العادة والطريقة قال الله تعالىٰ: "قد خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا في الاَرضِ" اى طرق، وفي الاصطلاح تطلق على ما يقابل الفرض من العبادات، وعلى ما صدر من النبي صلى الله عليه وسلم من الأفعال أو الأقوال ليست للإعجاز وهذا هو المراد ههنا، ولما كان التقرير عبارة من الكف عن الإنكار والكف فعل كما تقدم استغنى المصنف عنه به

أى عن التقرير بالفعل" (نهاية السول في شرح منهاج الوصول إلى علم الأصول على الهامش التقرير والحبير، ج:۲، ص:۵۲)

میں کہتا ہوں کہ سنت لغت میں عادت اور طریقہ کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قد خلت الخ یعنی تحقیق کہ تم سے پہلے طریقے گذر چکے ہیں، لہٰذا زمین میں گھوم پھر (کر انہیں دیکھ لو) (آیت میں مذکور لفظ سُنَن بمعنی) طریقے ہے، اور اصطلاح میں (۱) ان عبادتوں پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے جو فرض کے مقابل ہیں، (۲) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ان افعال واقوال پر ہوتا ہے جو (صراحتاً) قرآن میں نہیں ہیں، اور اس جگہ یہی دوسرا اصطلاحی معنی مراد ہے، اور جب انکار سے رکنے کو تقریر سے تعبیر کیا جاتا ہے تو "کف" یعنی رکنا (ایک) فعل ہے اس لئے قول کے ساتھ فعل کے ذکر کے بعد تقریر کے ذکر کی مصنف نے ضرورت نہیں سمجھی۔

۲- امام ابواسحاق الشاطبی متوفی ۷۹۰ھ لکھتے ہیں:

ويطلق لفظ السنة على ما جاء منقولا عن النبي صلى الله عليه وسلم على الخصوص بما لم ينص عليه في الكتاب العزيز بل إنما نص عليه من جهته عليه الصلوٰة والسلام كان بياناً لما في الكتاب؛ أولاً، ويطلق أيضاً في مقابلة البدعة، فيقال: "فلان على سنة إذا عمل على وفق ما عمل عليه النبي صلى الله عليه وسلم، كان ذلك مما نص عليه في الكتاب أولاً، ويقال: فلان على بدعة "إذا عمل على خلاف ذلك، وكأن هذا الإطلاق إنما اعتبر فيه عمل صاحب الشريعة فأطلق عليه لفظ السنة من تلك الجهة، وإن كان العمل بمقتضى الكتاب.

ويطلق أيضا لفظ السنة على ما عمل عليه الصحابة وجد ذلك في الكتاب أو السنة أو لم يوجد لكونه اتباعاً لسنة ثبتت عندهم لم تنقل إلينا، أو اجتهادًا مجتمعاً عليه منهم أو من خلفائهم... وإذا جمع ما تقدم تحصل منه في الإطلاق أربعة أوجه، قوله عليه الصلاة والسلام، وفعله، وإقراره-

وكل ذلك إما متلقى بالوحي أو بالاجتهاد، وهذه ثلاثة، والرابع ما جاء عن الصحابة أو الخلفاء. (الموافقات، ج:٤، ص:٣ تا ٦)

اور لفظ سنت ان امور پر بولا جاتا ہے جو نبی ﷺ سے منقول ہوکر آئے ہیں بالخصوص وہ امور جو قرآن مجید میں منصوص نہیں ہیں؛ بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جانب سے مذکور ہیں، پھر وہ امور قرآن کی مراد کا بیان وتفسیر ہوں، یا ایسے نہ ہوں۔

اور سنت کا لفظ بدعت کے مقابلہ میں بھی بولا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے فلاں سنت پر ہے؛ جبکہ اس کا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق ہو، خواہ یہ عمل ان اعمال میں سے ہو جن کی قرآن میں صراحت کی گئی ہے، یا ایسا نہ ہو، اور کہا جاتا ہے فلاں بدعت پر ہے؛ جبکہ اس کا وہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق نہ ہو، گویا اس اطلاق میں صاحب شریعت (ﷺ) کے عمل کا اعتبار کیا گیا ہے، اور اسی لحاظ سے اس پر سنت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اگر چہ وہ عمل بتقاضائے کتاب الٰہی ہو۔

نیز لفظ سنت کا اطلاق صحابہ کرامؓ کے عمل پر بھی ہوتا ہے قرآن وحدیث میں اس کے وجود سے ہم واقف ہوں یا نہ ہوں؛ کیونکہ صحابہؓ کا یہ عمل یا تو سنت کی اتباع میں ہوگا جو ان کے نزدیک ثابت تھی اور ہم تک نہیں پہنچی یا ان کے اجماعی اجتہاد یا خلفاء کے اجتہاد کی بناء پر ہوگا... ان مذکورہ صورتوں کو جمع کیا جائے تو سنت کے اطلاق کی چار صورتیں نکلیں گی: (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، (۲) آپ کا فعل، (۳) آپ کا اقرار واثبات اور یہ سب یا تو وحی سے حاصل شدہ ہوں گی یا اجتہاد سے یہ تین قسمیں ہوئیں، (۴) اور چوتھی قسم صحابہؓ یا خلفاءؓ سے ثابت شدہ امور ہیں۔

محقق ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ نے اصول فقہ میں اپنی مشہور وکثیر الفائدہ تصنیف ''التحریر'' میں سنت کی تعریف یہ کی ہے: "وفي الاصول قوله عليه السلام وفعله و تقريره وفي فقه الحنفية: ما واظب على فعله مع ترك بلا عذر ليلزم كونه بلا وجوب، وما لم يواظبه مندوب ومستحب" (التقریر والتحبیر شرح التحریر، ج:۲،ص:۲۲۳)

سنت اصول فقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے

ہیں، اور فقہ حنفی میں جس فعل پر آپ نے مواظبت فرمائی ہے بغیر عذر کے کبھی کبھار ترک کے ساتھ (ترک بلا عذر کی قید اس لئے ہے) تا کہ لازم ہو جائے کہ اس فعل پر ہیشگی بطور وجوب کے نہیں تھی (کیونکہ بلا عذر ترکِ فعل کی واجب میں رخصت واجازت نہیں)

اس تعریف کا صاف مطلب یہ ہے کہ فقہائے اصول جب فقہ کے ادلۂ اربعہ کے ضمن میں سنت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی تعریف آنحضرت ﷺ کے قول وفعل سے کرتے ہیں تو یہی سنت ان کے نزدیک مسائل کے لئے دلیل وحجت ہوتی ہے اور عبادات کے مراتب کی تعیین کے وقت بالخصوص فقہائے احناف فرض وواجب کے بعد اور نفل سے پہلے جب لفظ سنت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی تعریف ما واظب علی فعله الخ یا الطريقة المسلوكه في الدين سے کرتے ہیں تو اس سنت کا ان کے نزدیک احکام شرعی کی حجت ودلیل ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو اس حکم شرعی کا عرفی نام ہے جو آنحضرت ﷺ کے عمل مع المواظبة بترك ما سے ثابت ہوا ہے۔

سنت کی اصولی وفقہی یہی تعریفیں قدیم وجدید سب مصنفین اپنی اصول فقہ کی کتابوں میں بیان کرتے ہیں، ان سب کے ذکر میں تکرار محض اور طوالت ہے؛ اس لئے بطور نمونہ تین ماہرفن علماء کی تحریروں پر اکتفا کیا جارہا ہے، جن میں پہلے شافعی دوسرے مالکی اور تیسرے حنفی ہیں۔

اب تک کی بحث کا خلاصہ

۱- سنت کا اصل لغوی معنی طریقہ ہے۔

۲- حدیث کا لغوی معنی، غیر موجود کا وجود میں آجانا، خبر، کلام خواہ کم ہو یا زیادہ۔

۳- سنت محدثین کی اصطلاح میں: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال، افعال، تقریرات، احوال وصفات، حتی کہ بیداری وخواب کی حالت میں آپ کا سکون وحرکت۔

جمہور محدثین کے نزدیک سنت وحدیث ہم معنی ہیں؛ لہٰذا دونوں کی ایک ہی

تعریف ہے۔

۴-متقدمین ائمہ حدیث کی اصطلاح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر سنت ہیں اور صحابہ وتابعین کے آثار واقوال حدیث ہیں۔ متأخرین نے اس اصطلاح کی جگہ صحابہ کے آثار کے لئے موقوف کی، اور تابعین کے اقوال کے لئے مقطوع کی اصطلاح وضع کی اور اب یہی رائج ہے۔

۵-سنت اصولیین کی اصطلاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر کو کہتے ہیں، نیز ایک جماعت نے صحابہ کے آثار کو بھی سنت میں داخل کیا ہے۔

٦- سنت فقہائے احناف کی اصطلاح میں: الطريق المسلوك في الدين (یعنی من غير افتراض ولا وجوب، اور بالفاظ دیگر ما واظب على فعله مع ترك ما بلا عذر. تعریف کے پہلے الفاظ امام بزدویؒ کے ہیں، اور دوسرے الفاظ محقق ابن ہمام نے "التحرير" میں ذکر کئے ہیں، یہ صرف تعبیر کا تنوع ہے، ورنہ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے؛ کیونکہ "الطريقة المسلوكة في الدين" ما واظب عليه کے ہم معنی ہے۔ قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ لکھتے ہیں:

ومعنى بالطريقة المسلوكة ما واظب عليه النبی صلى الله عليه وسلم ولم يترك الا نادرًا الخ (کشاف اصطلاحات الفنون، ج:۱،ص:۷۰)

۷- ایک اور استعمال: "سنت" کا اطلاق کبھی بدعت کے مقابلہ میں ہوتا ہے (جیسا کہ امام شاطبی کی عبارت سے معلوم ہو چکا ہے۔ اس اطلاق میں لفظ سنت حدیث پاک "من أحدث في أمرنا هذا ليس منه فهو ردّ" میں واقع "امرنا" کے ہم معنی ہے۔ یعنی دین کی وہ تمام باتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسولؐ سے ثابت ہیں، لفظ سنت ان سب کو شامل ہوگا، خواہ وہ امور اور باتیں قرآن سے ماخوذ ہوں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے، چاہے ان کا تعلق اعتقاد سے ہو یا عمل سے۔ اس اطلاق میں لفظ سنت ان سب کو حاوی ہوگا اور اس وقت اس کا تعلق احکام پر حجت ہونے یا عبادت مسنونہ کے عرفی نام سے بالکل نہیں ہوگا۔

ملحوظات:

(الف) محدثین واصولیین کا اختلاف اعتباری ہے:

علماء اصول کی اصطلاح کے مطابق نبی کریم ﷺ کے غیر اختیاری احوال وصفات وغیرہ سنت میں داخل نہیں ہیں، جبکہ محدثین کی تعریف میں یہ سب داخل ہیں، لیکن یہ کوئی جوہری وحقیقی اختلاف نہیں ہے، بلکہ دونوں طبقہ کے اعتبارات ونقطۂ نظر کے مختلف ہونے کی بناء پر تعبیر کا اختلاف ہے، اصولیین رسولِ خدا ﷺ کے احوال وایام کو بجان ودل عزیز رکھنے کے باوجود اپنے فن کے تحت انھیں اپنی مصطلحہ سنت میں داخل نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کے ان غیر اختیاری صفات واحوال سے کوئی ایسا حکم متعلق نہیں ہے جس کا تعلق ہم امتیوں سے ہے، جبکہ ان حضرات کے فن کا موضوع احادیث رسول ﷺ سے شرعی احکام کے وجوہ استنباط اور فقہی مسائل کے اصول ودلائل کی تفسیر وبیان ہی ہے

اس کے بالمقابل محدثین کی سعی مشکور کا دائرۂ عمل اللہ کے رسول ﷺ کی جانب منسوب جملہ امور اور ساری باتوں کی جمع وتدوین اور اپنے قواعد وضوابط کی رو سے اس انتساب کی صحت وعدم صحت کی نشاندہی کرنا ہے، لہٰذا ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ حدیث کی ایسی اصطلاحی تعریف کریں جس کی حد میں آپ ﷺ کی جانب منسوب اختیاری وغیر اختیاری جملہ امور داخل ہو جائیں۔

(ب) سنت سے متعلق متعدد اصطلاحات ہیں:

اوپر کی تحریر سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ لفظ ''سنت'' سے متعلق علماء اہل سنت والجماعت کی الگ الگ اصطلاحات واطلاقات ہیں جو اپنے مواقع استعمال اور معانی میں بالکل مختلف ہیں، اب ہماری علمی ذمہ داری ہے کہ دینی علوم اور شرعی احکام کی تشریح وبیان کے وقت ان کے حدود اور مواقع استعمال کی مکمل رعایت اور پابندی کریں، کیونکہ اسلام کے باوفا سپوتوں اور ملت اسلامیہ کے سچے بہی خواہوں یعنی علمائے اہل سنت والجماعت نے نصوص فہمی میں امت کو انتشار وافتراق سے بچانے اور فرق ضالّہ کی ظلمت

خیزیوں سے کاروانِ ملت کو بحفاظت تمام نور ہدایت کی منزل تک پہنچانے کی غرض سے جو حدود اور سرحدیں قائم کی ہیں اگر وہ توڑ دی گئیں تو پھر یقین جانئے کہ ہمارے فکر ونظر کے آسمان وزمین دگرگوں ہوے بغیر نہیں رہ سکیں گے، ذرا سوچئے اگر کوئی شخص سہل انگاری یا جوش تجدد میں اُس لفظ ''سنت'' کو جو بدعت کے مقابل بولا جاتا ہے ''ما واظب علیه'' کا معنی پہنادے تو اس صورت میں کیا ایسا نہیں ہوگا کہ دین میں یُسر وسہولت پیدا کرنے والے وہ اعمال جن کا صدور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک دوبار ہوا ہے اور اب وہ واماندگانِ راہ ہدایت کے حق میں شجر سایہ دار بنے ہوئے ہیں شارع کے یہی اعمال اس عمل خاطی کی بنار پر اسے بشکل بدعت نظر آنے لگیں؟

الحاصل علوم دینیہ بالخصوص حدیث وفقہ کے فن میں رائج اصطلاحات بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، جن کے استعمال میں تیقظ اور ان کی حدود کی مکمل پاسداری ہی سے ان فنون سے صحیح طور پر استفادہ کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ ان میں باہم خلط ملط کردینے سے بات کہیں کی کہیں پہنچ جائے گی۔

(ج) رسول اللہ ﷺ کے کلام اور صحابہ وتابعین کے اقوال میں لفظ سنت کا معنی:

اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ لفظ ''سنت'' ان الفاظ میں سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے کلام اور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال میں کثرت سے آئے ہیں۔ گذشتہ سطور میں صاحب لسان العرب وغیرہ ائمہ لغت کی تصریحات سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ لفظ احادیث وغیرہ میں جب مطلق آتا ہے تو اس کا لغوی معنی طریقہ ہی مراد ہوتا ہے۔ اور جہاں یہ نبی کریم ﷺ کی جانب اضافت کے ساتھ مثلاً حدیث میں وارد ''علیکم بسنتی'' یا ''سنة نبیکم'' جیسے الفاظ، یا سلسلۂ استحسان وثنا اور طلب میں وارد ہوا ہے وہاں منہج نبوی، یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرز زندگی اور مجموعۂ شریعت کے معنی میں ہوتا ہے، جس میں اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاق وآداب وغیرہ سب داخل ہوتے ہیں، پھر ان عبادات ومعاملات وغیرہ میں فرض، واجب، سنت، مستحب اقوال وافعال سب ہی ہیں۔

چنانچہ علامہ عبدالغنی نابلسی "الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية" میں حدیث پاک "فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين" (الحدیث) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أي الزموا، يقال: عليك زيدًا أي الزمه، وسنّته، اسم لأقواله، وأفعاله، واعتقاداته، وأخلاقه، وسكوته عند قول الغير أو فعله، والخلفاء، جمع خليفة والمراد من الخلفاء: الأربعة أبوبكر وعمر، وعثمان، وعلى رضى الله عنهم، الخ (تحفة الأخيار بإحياء سنة سيد الأبرار ازمولانا عبدالحئ فرنگی محلی مع تعلیق علامہ عبدالفتاح ابوغدہ،ص:۵۱)

لہذا احادیث وغیرہ میں وارد لفظ "سنت" کو جو اپنے معنی میں پوری شریعت کو حاوی ہے، فقہاء کی مصطلحہ سنت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی حدیث پاک "الفطرة خمس - أو خمس من الفطرة - الختان والاستحداد" الحدیث. کی شرح میں ختنہ کے احکام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام شافعی اور جمہور شوافع مرد و عورت دونوں کے حق میں ختنہ کے وجوب کے قائل ہیں، اور اکثر علماء اور بعض شوافع کے نزدیک واجب نہیں؛ بلکہ سنت ہے، اور ان حضرات نے اپنے اس مسلک پر حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "الختان سنة للرجال، مكرمة للنساء" وهذا لا حجة فيه لما تقرران السنة إذا ورد في الحديث لا يراد به التي تقابل الواجب" (فتح الباری شرح صحیح البخاری باب قص الشارب، ج:۱۰،ص:۴۱۸)

یعنی ختنہ مردوں کے لئے سنت اور عورتوں کے لئے فضیلت ہے" لیکن حدیث میں وارد لفظ "سنت" کو ختنہ کے مسنون ہونے پر حجت نہیں قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ثابت اور طے شدہ بات ہے کہ لفظ "سنت" جب حدیث میں آتا ہے تو اس سے وہ سنت مصطلحہ جو فرض کے مقابل ہے مراد نہیں ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں اسی حدیث کے تحت کچھ پہلے لکھتے ہیں "والتعبير في بعض

روايات الحديث "بالسنة" بدل الفطرة يراد بها الطريقة لا التي تقابل الواجب، وقد جزم بذلك الشيخ أبو حامد والماوردي وغيرهما وقالوا: هو كالحديث الآخر "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين" (ص:٤١٧)

اس حدیث کی بعض روایتوں میں لفظ ''فطرۃ'' کی بجائے عشر من السنة کی عبارت ہے۔ اس میں بھی سنت سے مراد طریقہ ہی ہے وہ سنت نہیں جو واجب کے مقابل ہے، شیخ ابو حامد (یعنی امام غزالی) اور امام (ابوالحسن علی) ماوردی وغیرہ علما نے تحقیق کے ساتھ یہ بات کہی ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں اس حدیث میں وارد لفظ ''سنت'' طریقہ کے معنی میں ہے، جس طرح دوسری حدیث "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء" میں یہی معنی مراد ہے۔

پھر یہ بات تو مقرر و متعین ہے کہ علوم حدیث وفقہ کی اصطلاحات عہد تابعین کے تقریباً اختتام کے بعد یعنی دوسری صدی ہجری اور اس کے بعد کے زمانہ میں وضع کی گئی ہیں، تو حدیث میں وارد لفظ ''سنت'' کو ایسے معنی پر کیونکر محمول کیا جا سکتا ہے جس کا اس لفظ کے ورود کے وقت وجود ہی نہیں تھا۔

لہٰذا حدیث وفقہ کے مطالعہ کے وقت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مستعمل لفظ ''سنت'' نیز محدثین، اصولیین اور فقہاء کی اصطلاحی سنتوں کے باہمی فرق اور ان کے مواقع استعمال کی رعایت از بس ضروری ہے؛ تاکہ فہم نصوص میں غلط فہمی دراندازنہ ہونے پائے۔

آمدم برسر مطلب:

یہ درازنفسی اور طول کلامی محض اس لئے اختیار کی گئی ہے کہ مسئلہ زیر بحث پر مکمل بصیرت کے ساتھ بحث ونظر کے لئے ضروری ہے کہ پہلے حدیث وسنت کے لغوی واصطلاحی معانی ذہن نشین کر لئے جائیں، پھر بطور خاص لفظ ''سنت'' کی اصطلاحات واطلاقات میں جو تنوع ہے اس کا بھی خانۂ ذہن وفکر میں موجود رہنا لازمی ہے، ورنہ

ایک اصطلاح دوسری اصطلاح کے ساتھ گڈمڈ ہوسکتی ہے اور اس صورت میں لفظ سنت کے صحیح معانی ومرادات تک نہیں پہنچا جاسکتا ہے۔ کسی حکیم شاعر نے کس قدر مبنی بر حقیقت بات کہی ہے:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اسی کجی سے اپنے آپ اور اپنے قارئین کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ ناگزیر طوالت برداشت کی گئی، پھر اطناب مفید کو تو اہل زبان کی جانب سے سند حسن قبول بھی حاصل ہے؛ اس لئے یہی توقع ہے کہ باذوق اصحابِ علم وفہم پر یہ تفصیلات بار خاطر نہیں ہوں گی۔

آئندہ سطور میں فاضل محترم کے اس جدید نقطۂ نظر پر کہ ''سنت حجت ہے حدیث نہیں''، ایک طالب علمانہ جائزہ پیش کیا جارہا ہے:

(۱) فاضل محترم فرماتے ہیں: حدیث وسنت میں کیا فرق ہے؟ یہ فرق لوگ نہیں جانتے، بلکہ لوگوں میں غلط فہمی ہے۔ یا غلط فہمی پیدا کی جاتی ہے کہ حدیث سنت ایک ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے... پھر دونوں کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''حدیث اور سنت دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا تو نہیں ہیں... مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ دونوں میں تساوی کی نسبت ہو، بلکہ حدیث اور سنت میں عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے''

(ج) جمہور محدثین حدیث وسنت کو باہم مرادف مانتے ہیں اسی لئے ایک کی جگہ دوسرے کا بے تکلف استعمال کرتے ہیں، مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھتے ہیں: ''وکثیرًا ما یقع في کلام الحفاظ ما یدل علی الترادف'' حدیث وسنت کی اصطلاحی تعریف کے ضمن میں امام نوویؒ، حافظ سخاویؒ وغیرہ علماء فن حدیث کے حوالہ سے حضرات محدثین کے مسلک کو منقح طور پر نقل کیا جاچکا ہے، اسے ملاحظہ کرلیا جائے، نیز اس بارے میں مزید اطمینان کے لئے حافظ خطیب بغدادیؒ کی ''الکفایہ'' امام حاکم کی ''علوم الحدیث''،

حافظ سیوطی کی ''تدریب الراوی'' وغیرہ کتب اصول حدیث کے مقدمات واوائل کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

لہٰذا جولوگ حدیث وسنت کو ایک سمجھتے یا ایک بتاتے ہیں، وہ نہ تو غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور نہ ہی غلط فہمی پیدا کرتے ہیں؛ بلکہ ائمہ فن اور حفاظِ حدیث کے صحیح ومحقق مسلک کی ترجمانی کرتے ہیں۔

البتہ محدثین کی مذکورہ حدیث وسنت اور علماء اصولیین کی معرفہ سنت میں بھی ترادف ہے یا نہیں، تواس میں یہ تفصیل ہے کہ جن محدثین نے حدیث کی تعریف میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف قول وفعل وتقریر کا ذکر کیا ہے، تو ان کی تعریف کے لحاظ سے محدثین واصولیین کی مذکورہ حدیث وسنت مرادف ہونگی (کما ذکرہ الحافظ العسقلانی فی فتح الباری، ج:۱۳، ص:۳۱۶ کما مرّ)

اور جن محدثین نے حدیث کی تعریف میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال وصفات غیر اختیاریہ کو بھی شامل کیا ہے، ان کی تعریف کی رو سے حدیث اہل اصول کی سنت سے عام ہوگی۔

اور جن علماء حدیث واصول نے لفظ حدیث کا اطلاق خاص قول رسول ﷺ پر کیا ہے اور لفظ ''سنت'' کو قول وفعل وغیرہ کے ساتھ عام رکھا ہے ان کی اصطلاح کے تحت سنت، حدیث سے عام ہو جائے گی۔

محدثین واصولیین کے درمیان یہ اختلاف صرف ان احادیث ہی میں ہوگا جو آنحضرت ﷺ کے غیر اختیاری احوال واوصاف وغیرہ پر مشتمل ہیں، رہے رسول خدا ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات تو ان امور سے متعلق احادیث میں دونوں طبقہ کے علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ بحث ملحوظات میں گذر چکی ہے (مزید فائدہ کے لئے ظفر الامانی، ص:۲۴ اور توجیہ النظر، ج:۱، ص:۳۷ و۴۰ دیکھئے)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فاضل موصوف نے عام ائمہ فن اور حفاظ حدیث کے مسلک راجح کی بجائے مرجوح قول کو اختیار کیا ہے، اس اختیار وپسندیدگی کی کوئی وجہ اور

دلیل ذکر نہیں کی ہے، لہٰذا اس بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے ''پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا''

(۲) فاضل محترم نے اپنی اختیار کردہ رائے کے تحت حدیث وسنت کی الگ الگ تعریفات وتفصیلات بیان کی ہیں، چنانچہ حدیث سے متعلق بعض امور کا ذکر کرنے کے بعد سنت سے متعلق درج ذیل معلومات فراہم کی ہیں:

''سنۃ'' کے لغوی معنی ہیں راستہ (الطریق) اور یہ لفظ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے، احادیث میں بھی آیا ہے، اور فقہ میں بھی، اور تینوں جگہ میں معنی الگ الگ ہیں۔ قرآن میں ہے "وَلَنْ تجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبدِيلاً" ''تم اللہ کی سنت کو بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے۔ اور حدیث میں ہے "تركتُ فيكم أمرين" میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں: "لن تضلّوا ما تمسّكتم بهما" جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوؤ گے، وہ دو چیزیں کیا ہیں "كتاب الله و سنّتي" ''اللہ کی کتاب اور میرا طریقہ۔ اور فقہ میں سنت مؤکدہ اور سنت غیر مؤکدہ کی اصطلاحیں ہیں۔ غرض تینوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور تینوں جگہ معنی الگ الگ ہیں۔

فقہ میں سنت: احکام کا ایک درجہ ہے، واجب سے نیچے اور مندوب سے اوپر...

قرآن مجید میں وارد لفظ سنت کے معنی کی وضاحت کے بعد حدیث میں آئے لفظ سنت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور حدیث میں سنت کے معنی ہیں: "الطريقة المسلوكة في الدين" یعنی دینی راہ، وہ راستہ جس پر مسلمانوں کو چلنا ہے'' قرآن کریم میں ہے "قُلْ هٰذِهِ سَبِيْلِي أَدْعُوا إِلَى اللهِ" کہئے یہ میرا راستہ ہے، میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میرا راستہ یعنی حضور ﷺ کا راستہ، اسی کے لئے حدیثوں میں لفظ سنت آیا ہے''... پھر موضوع سے بظاہر گریز کرتے ہوئے ''مسئلہ نسخ'' پر ہلکی سی روشنی ڈالی ہے کہ نسخ شریعتوں میں ہوتا ہے دین میں نہیں... قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں جو اپنے تمام مواد میں منسوخ ہو،... لیکن حدیث کی ایسی صورت نہیں ہے، پہلے دور کے جو احکام تھے، وہ بھی حدیث کی

کتابوں میں موجود ہیں اور بعد میں جو احکام آئے وہ بھی حدیث کی کتابوں میں ہیں، پس پہلی قسم کی روایتیں صرف حدیث ہیں سنت نہیں ہیں اور دوسری قسم کی روایتیں حدیث بھی ہیں اور سنت بھی'' (بلفظہ مع اختصار)

(ج) فاضل محترم کی عبارت کے اس طویل اقتباس میں کئی امور غور طلب اور محتاج بحث ونظر ہیں:

(۱) لفظ ''سنت'' کے صرف ان تین محل استعمال قرآن، احادیث، فقہ کے ہی ذکر پر کیوں اکتفا کیا گیا؛ جبکہ مسائل کی حجیت میں ان کا دخل بھی نہیں ہے، اور اصول فقہ میں مذکور لفظ سنت کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا، حالانکہ اسے احکام فقہ کے ادلہ اربعہ میں دوسری دلیل وحجت کا درجہ حاصل ہے اور اسی سنت سے موصوف کے موضوع کا راست تعلق بھی ہے، پھر اس کا معنی بھی تینوں مواقع میں مذکورہ لفظ سنت سے الگ ہے، ان اہم وجوہِ ذکر کے باوجود آخر اس سے نگاہ پھیر لینے کی کیا وجہ ہے؟ کیا یہ بھول چوک کی کارستانی ہے، یا خلاف مقصد جان کر اس کو چھوڑ دیا گیا ہے؟ (والعلم عند اللہ)

(۲) مواقع مذکورہ میں وارد تینوں لفظ سنت میں سے قرآن وحدیث میں مستعمل سنت کے معنی پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، مگر فقہ میں مذکور سنت کا صرف درجہ بیان کیا گیا ہے اصطلاحی تعریف کے ذریعہ اسے معلوم ومشخص کرنے پر توجہ نہیں دی گئی جبکہ تعریف وتعیین سے پہلے شئی مجہول کو کسی خاص مقام ومرتبہ پر کیسے رکھا جا سکتا ہے۔ (تدبر)

آخر میں حدیث میں مستعمل لفظ سنت کا معنی درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اور حدیث میں سنت کے معنی ہیں "الطريقة المسلوكة في الدين" یعنی دینی راہ، وہ راستہ جس پر مسلمانوں کو چلنا ہے،... یعنی حضور ﷺ کا راستہ، اسی (معنی) کے لئے حدیثوں میں لفظ سنت آتا ہے'' (بلفظہ)۔

(۳) ملحوظات کے ضمن میں اکابر علماء حدیث واصول کی تحقیقات سے مستفاد یہ بات گذر چکی ہے کہ احادیث میں وارد لفظ ''سنتی'' سنت رسول سے مراد "الطريقة المشروعة والمتبعة في الدين" ہے یعنی وہ مشروع طریقہ جس کی دین میں اتباع

اور پیروی کی جاتی ہے، بالفاظ دیگر سنت رسول کا معنی منہج نبوی، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرز زندگی ہے جس میں آپ ﷺ کے اقوال وافعال اور تقریرات سے ثابت اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاق وغیرہ خواہ یہ فرض ہوں یا واجب وسنت اور مستحب ومندوب وغیرہ مجموعۂ شریعت شامل ہے۔

غالباً ہمارے فاضل محترم نے اسی معنی کو اپنے مختصر الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے ''دینی راہ، وہ راستہ جس پر مسلمانوں کو چلنا ہے، اسی کے لئے حدیثوں میں یہ لفظ آتا ہے'' (واللہ اعلم بالصواب)

ظاہر ہے کہ لفظ ''سنت'' اپنے اس معنی کے اعتبار سے احکام کے لئے دلیل وحجت نہیں بن سکتا ہے؛ کیونکہ شرعی احکام بلکہ مکمل شریعت اپنے وجود وثبوت میں بجائے خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے استدلال کی محتاج ہے، جب تک ان پر رسولِ خدا ﷺ کے قول وفعل کی (صراحتاً واستنباطاً) مہر ثبت نہ ہو جائے اس وقت تک یہ شرعی احکام کہے جانے ہی کے مستحق نہیں ہوتے تو پھر یہ کسی شرعی حکم کے لئے دلیل وحجت کیسے بن سکتے ہیں۔ علمائے امت کے مذہب کے مطابق صرف اور صرف وہی لفظ سنت فقہی مسائل میں حجت ہوگا جس کی اصطلاحی تعریف رسول اللہ ﷺ سے صادر اقوال وافعال سے کی جاتی ہے۔ اس کے ماسوا وہ لفظ سنت جو دیگر اصطلاحات واطلاقات سے وابستہ ہے، اپنی تمام تر افادیت واہمیت کے باوصف بابِ استدلال واحتجاج میں بالکل مؤثر نہیں ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''لیکن حدیث کی ایسی صورت نہیں ہے، پہلے دور کے جو احکام تھے وہ بھی حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں اور بعد میں جو احکام آئے وہ بھی حدیث کی کتابوں میں ہیں، پس پہلی قسم کی روایتیں صرف حدیث ہیں، سنت نہیں، اور دوسری قسم کی روایتیں حدیث بھی ہیں اور سنت بھی'' (بلفظہ)

(۴) جائزہ کے صفحہ ۱۳ پر امام حافظ ابوبکر حازمی متوفی ۵۸۴ھ کی مشہور اور اپنے

موضوع پر محقق کتاب الاعتبار في الناسخ والمنسوخ من الآثار" سے یہ دوعبارتیں نقل کی جا چکی ہیں۔

(۱) "هذا الكتاب أذكر فيها ما انتهيت إلى معرفته من ناسخ حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ومنسوخه" (۲) "وإنما أوردنا نبذة منها ليعلم شدة اعتناء الصحابة بمعرفة الناسخ والمنسوخ في كتاب الله وسنة نبيّه صلى الله عليه وسلم"

امام حازمی کی یہ عبارت اس بات میں نص ہے کہ حدیث کی طرح سنت بھی ناسخ ومنسوخ ہوتی ہے، جبکہ ہمارے فاضل محترم کا بیان یہ ہے کہ منسوخ صرف حدیث ہے، منسوخیت کی صفت سے حدیث کے یہ اختصاص کی بات اگر خود آں محترم کے فکر ونظر کی پیداوار ہے تو یہ ائمہ حدیث کے قول کے خلاف ہے، لہذا یہ رائے اعتبار کے کس درجہ میں ہوگی وہ ظاہر ہے، اور اگر ان کے اس قول کی پشت پر ائمہ حدیث واصول کی سند ہے تو اسے نقل کرنا چاہئے، کیونکہ ہم فنون کی وضع وتدوین کے مقام میں نہیں بلکہ مقام اخذ ونقل میں ہیں؛ اس لئے علمی حلقوں میں ہماری وہی بات پایۂ اعتبار حاصل کر سکے گی جسے ائمہ فن کی تائید وتصدیق میسر ہو، علامہ ابن تیمیہؒ نے اسی اصول کو ''مقدمہ اصول تفسیر'' میں اپنے اس مختصر مگر نہایت بلیغ جملہ "العلم إما قول مصدّق، وإما استدلال محقَّق" میں بڑے ہی لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے، لہذا ہمیں ائمہ کی تصدیق کی اہمیت کو محسوس کرنا چاہئے۔

(۳) آگے مادۂ افتراقی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تین قسم کی روایتیں صرف حدیث ہیں سنت نہیں ہیں، ایک وہ حدیثیں جو منسوخ ہیں وہ سنت نہیں ہیں...دوسری قسم: وہ حدیثیں ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں وہ اگرچہ حدیثیں ہیں مگر سنت نہیں ہیں...تیسری قسم: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصلحت سے کوئی بات فرمائی یا کوئی عمل کیا تو وہ حدیث ہے مگر سنت نہیں، اس کی

پانچ مثالیں سنیں اور اتنی مثالیں اسلئے پیش کررہا ہوں کہ یہ مسائل سمجھنے ضروری ہیں۔

مغرب سے پہلے نفلیں پڑھنا سنت نہیں ہے پہلی مثال،... کھڑے ہوکر پیشاب کرنا سنت نہیں، دوسری مثال... حیض کے زمانہ میں بیوی کو ساتھ لٹانا سنت نہیں، تیسری مثال... زور سے آمین کہنا حنفیہ کے نزدیک سنت نہیں پانچویں مثال" (بلفظہ مع اختصار)۔

(ج) فاضل محترم کے بیان کے مطابق تین قسم کی روایتیں صرف حدیث ہیں سنت نہیں ہیں، ایک وہ حدیثیں جو منسوخ ہیں، وہ سنت نہیں ہیں۔

(۱) جائزہ ۲ جز ۴ میں اس تخصیص سے متعلق کلام گذر چکا ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ وہ حدیثیں جو پہلے دور میں معمول بہا تھیں بعد میں منسوخ ہو گئیں، وہ اپنے پہلے دور میں سنت تھیں یا نہیں اگرچہ موصوف نے صراحتاً اس کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا ہے لیکن انھوں نے حدیث وسنت کے درمیان جو فرق بیان کیا ہے اس سے تو یہی مفہوم ہو رہا ہے کہ وہ منسوخ ہونے سے پہلے سنت تھیں منسوخ ہو جانے کے بعد حدیث ہو گئیں، اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ سنت میں بھی نسخ ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۲) موصوف نے حدیث منسوخ کی مثال میں "توضوا مما مسّت النار" کو پیش کیا ہے، اور آخر میں بطور نتیجہ فرمایا ہے "حدیث "توضوا مما مست النار" سنت نہیں ہے۔

بلاشبہ جمہور امت کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے، لیکن امت کا ایک طبقہ اسے منسوخ نہیں سمجھتا ہے اور آگ کی آنچ زدہ چیزوں کے استعمال سے وضو کا قائل ہے۔ امام حازمی نے سلف صالحین میں سے درج ذیل حضرات کے ناموں کی صراحت کی ہے جو اس مذہب پر کاربند ہیں عبداللہ بن عمر، ابوطلحہ، انس بن مالک، ابوموسیٰ، عائشہ، زید بن ثابت، ابوہریرہ، ابوعزہ الہذلی، عمر بن عبدالعزیز، ابومجلز، لاحق بن حمید، ابوقلابہ، یحییٰ بن یعمر، حسن بصری، زہری (رضی اللہ عنہم) (الاعتبار، ص: ۳۹)

لہٰذا ان بزرگوں کے مذہب کے اعتبار سے، فاضل محترم کے بیان کے مطابق اسے حدیث کی بجائے سنت میں شمار کیا جائیگا۔

(۳) آگے فرماتے ہیں:

دوسری قسم: وہ حدیثیں ہیں جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں وہ اگرچہ حدیثیں ہیں مگر سنت نہیں، (بلفظہ)

اس بارے میں عرض ہے کہ جائزہ کے صفحہ ۱۶ پر ایک اور اصطلاح کے زیرعنوان ابن ملک کی شرح منارالاصول، کشف الاسرار شرح اصول بزدوی، اور تلویح، وعضدی کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ علمائے اصول کی ایک بڑی جماعت حدیث کا اطلاق صرف آنحضرت ﷺ کے قول پر کرتی ہے اور سنت کا اطلاق آپ کے قول وفعل سب پر کرتی ہے، ان کی اس اصطلاح کے مطابق نبی کریم ﷺ کی خصوصیات سے متعلق ساری روایتیں سنت ہی ہوں گی؛ کیونکہ جو امور آپ کے ساتھ خاص ہیں، ان کا تعلق فعل ہی سے ہے قول سے نہیں ہے، جبکہ اس کے برعکس موصوف فرماتے ہیں کہ "وہ حدیثیں جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں وہ اگرچہ حدیثیں ہیں مگر سنت نہیں" اب کس کی بات مانی جائے فیصلہ آپ خود کرلیں۔

(۴) تیسری قسم کے بارے میں فاضل محترم نے اپنی تحقیق ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصلحت سے کوئی بات فرمائی یا کوئی عمل کیا تو وہ حدیث ہے مگر سنت نہیں" پھر موصوف نے اس کی پانچ مثالیں ذکر کی ہیں۔

(ج) پتہ نہیں یہ کونسی خاص مصلحت ہے کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام جس کی رعایت کبھی کبھی فرماتے ہیں کہ جس قول وعمل میں یہ مصلحت ملحوظ ہوتی ہے وہ قول وعمل سنت کی بجائے حدیث ہوجاتا ہے جبکہ علماء کے نزدیک یہ مسلمات میں سے ہے کہ شرائع واحکام کی وضع ہی بندوں کے مصالح دینی ودنیوی کے لئے ہوئی ہے، چنانچہ امام شاطبیؒ کتاب مقاصد الشرع کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"ولنقدم قبل الشروع في المطلوب مقدمة كلامية مسلمة في هذا الموضع، وهي أن وضع الشرائع إنما هو لمصالح العباد في العاجل والآجل

معًا الخ" (الموافقات، ج:۲،ص:۶)

اس مقام پر ہم اصل مقصد کو شروع کرنے سے پہلے علم کلام کا ایک مسلمہ مقدمہ پیش کررہے ہیں وہ یہ ہے کہ شرائع کی وضع ہی بندوں کے دین ودنیا کی مصلحتوں کے لئے ہوئی ہے۔

پھر موصوف نے اس کے متعلق تفصیلات ذکر کی ہیں جو لائق مطالعہ ہیں، اس مسلمہ مقدمہ سے معلوم ہوا کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی قول وعمل مصلحت سے خالی نہیں ہوگا؛ لہٰذا فاضل محترم کی یہ تیسری قسم بجائے خود محل نظر ہے۔

(۵) اس تیسری قسم کی چونکہ فاضل محترم کے نزدیک خاص اہمیت ہے؛ اس لئے اس کی پانچ مثالیں پیش کی ہیں ان میں سے پہلی مثال یہ ہے۔

''بخاری شریف میں ایک باب ہے "باب الصلوة قبل المغرب" كتاب التهجد باب ۳۵ حديث ۱۱۸۳) نبی نے فرمایا مغرب سے پہلے نفلیں پڑھو یہ بات دومرتبہ فرمائی پھر تیسری مرتبہ "لمن شاء" بڑھادیا یعنی مغرب سے پہلے کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ آپ نے "لمن شاء" اس لئے بڑھایا کہ لوگ اس کو سنت نہ بنالیں: "كراهيةً أن يتخذها الناس سنةً" اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اس نماز کو سنت نہ بنالیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث اور سنت الگ الگ چیزیں ہیں الخ (بلفظہ)

(ج) موصوف ایک وسیع النظر عالم ہیں پھر بھی اس حدیث پاک میں وارد لفظ سنت کو اصطلاحی معنی پر محمول کررہے ہیں؛ جبکہ انھیں اس بات کا ضرور علم ہوگا کہ جس عہد خیر مہد میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس وقت لفظ سنت کے لئے یہ موجودہ مستعمل اصطلاحی معنی وضع ہی نہیں ہوا تھا کیونکہ یہ اصطلاحات دوسری صدی ہجری اور اس کے بعد کے زمانے میں وضع ہوئی ہیں، تو اس لفظ کے استعمال کے وقت جو معنی وجود ہی میں نہیں آیا تھا وہ یہاں کیوں کر مراد ہوسکتا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں "ومعنى قوله سنة" أي شريعة وطريقة لازمة" (فتح الباری،

ج:۳،ص:٦٧) راوی کے قول ''سنت'' کا معنی شریعت اور لازمی طریقہ کے ہیں، لہٰذا اس جملہ کا صاف مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آخر میں لفظ ''لمن شاء'' اس لئے زیادہ فرمایا کہ آپ کو پسند نہیں تھا کہ اس دوگانہ نفل کو لوگ لازمی طریقہ بنالیں۔ ملحوظات میں اس مسئلہ کی پوری وضاحت گذر چکی ہے اسے ملاحظہ کرلیا جائے۔

آخر میں عرض ہے کہ صحیح بخاری کی یہ روایت جس کے بارے میں ہمارے فاضل محترم بتارہے ہیں کہ یہ حدیث ہے سنت نہیں ہے، اسی حدیث پاک کو مشہور مستند شارح حدیث امام نوویؒ نے شرح مسلم میں سنت قرار دیا ہے۔ چنانچہ جن علماء نے اس نفل کی عدم ادائیگی کی ترجیح میں یہ کہا ہے کہ اس کا پڑھا جانا مغرب کے فرض میں تاخیر کا سبب بنے گا؛ حالانکہ اس کی تعجیل مطلوب ہے، ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''قول من قال: إن فعلهما يؤدي إلى تاخير المغرب من أول وقتها خيال فاسد منابذ للسنة'' جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس دوگانہ کا پڑھنا نماز مغرب کو اس کے اوّل وقت سے مؤخر کردینے کا سبب بنے گا یہ خیال فاسد سنت مخالف ہے۔ بہرحال اگرچہ فاضل محترم بتارہے ہیں کہ یہ حدیث ہے اس لئے حجت نہیں ہے جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص وابی بن کعب، ابودرداء وابوموسیٰ اشعری جیسے فقہائے صحابہ اور تابعین میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن بریدہ، یحییٰ بن عقیل وغیرہ رضی اللہ عنہم اور فقہائے مجتہدین میں امام احمد اور اسحاق بن راہویہ نہ صرف اسے حجت مانتے ہیں بلکہ اس پر عمل پیرا بھی تھے اور جو عمل پیرا نہیں ہیں وہ لوگ بھی اباحت پر اس سے استدلال کرتے ہیں تو اس کو سنت ہونا چاہئے۔ (دیکھئے فتح الباری ج۲،ص:۱۳۸)

(٦) دوسری مثال یہ پیش کی ہے:

''نبی ﷺ نے زندگی میں ایک مرتبہ ایک قوم کی کوڑی پر کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا'' یہ حدیث ہے سنت نہیں ہے، آپ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب فرماتے، پھر حضور نے کھڑے ہوکر پیشاب کیوں فرمایا، مسئلہ کی وضاحت کے لئے۔

(ج) بیٹھ کر پیشاب کرنا بلاشبہ اسلامی طریقہ ہے، اسی لئے جمہور علماء اسلام

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو فعل ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں، جبکہ ایک جماعت اسے مباح سمجھتی ہے، چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں:

وقد اختلف العلماء في هذا، فأباحه قوم، وقال ابن المنذر: ثبت أن عمر، وابنه، وزيد بن ثابت، وسهل بن سعد إنّهم بالوا قيامًا وأباحه سعيد بن المسيب، وعروة، ومحمد ابن سيرين، وزيد بن الأصم، وعَبِيدة السلماني، والنخعي، والحكم، والشعبي، وأحمد، وآخرون، وقال مالك إن كان في مكان لايتطائر عليه منه شئى فلا بأس، وإلّا فمكروه، وقالت عامة العلماء البول قائمًا مكروه إلا لعذر، وهي كراهة تنزيه لا تحريم.

وكذلك روي البول قائمًا عن أنس، وعلى بن أبى طالب وأبي هريرة رضي الله عنهم، وكرهه ابن مسعود، وإبراهيم بن سعد (عمدۃ القاری، ج:۳، ص:۱۳۵)

اس مسئلہ میں علماء مختلف ہیں، ایک جماعت نے اسے مباح ٹھہرایا ہے، حافظ ابن المنذر نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، سہل بن سعد رضی اللہ عنہم کے بارے میں ثابت ہے کہ ان حضرات نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہے، اور سعید ابن مسیّب، عروہ ابن زبیر، محمد ابن سیرین، زید ابن الاصم، عبیدہ سلمانی، ابراہیم نخعی، حکم ابن عتیبہ، عامر شعبی، احمد ابن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ کھڑے ہوکر پیشاب کو جائز ٹھہراتے ہیں اور امام مالک نے فرمایا ہے کہ اگر ایسی جگہ ہو کہ پیشاب کی چھینٹ اڑ کر پیشاب کرنے والے پر نہ آئے تو کھڑے ہوکر پیشاب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر چھینٹ اوپر آتی ہو تو مکروہ ہوگا، اور عام علماء کہتے ہیں کہ بغیر عذر کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

یہ تفصیل بتارہی ہے کہ صحابہ وتابعین آنحضرت ﷺ کے اس فعل کو حجت مانتے ہیں اسی لئے کھڑے ہوکر پیشاب کو روا سمجھا، پھر فاضل محترم کا یہ کہنا کہ مسئلہ کی وضاحت کے لئے حضور ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ موصوف کے بقول نبی کریم کا یہ فعل حدیث ہے اور حدیث ان کے نزدیک حجت نہیں ہے، تو اس فعل سے مسئلہ

کی وضاحت کیونکر ہوگی؟ عجیب انتشار ہے، ایک طرف تو اس فعل کو حدیث کا عنوان دے کر اس کی حجیت سے انکار کررہے ہیں، دوسری طرف اسی حجیت سے عاری حدیث سے بحالت عذر کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے جواز پر استدلال واحتجاج بھی کررہے ہیں۔

(۷) تیسری مثال میں لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ نبی ﷺ نے حیض کے زمانہ میں حضرت عائشہ سے فرمایا لنگی باندھ کر میرے ساتھ لیٹ جاؤ، یہ مسئلہ کا بیان ہے سنت نہیں ہے۔ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ آپ اور حضرت عائشہ ساتھ لیٹے ہوئے تھے، رات میں حضرت عائشہ کا حیض شروع ہوگیا وہ چپکے سے کھڑی ہوگئیں، ایسے موقع پر عورتیں لنگوٹ وغیرہ باندھتی ہیں، آپ کی آنکھ کھل گئی، آپ نے پوچھا کیا ماہواری شروع ہوگئی؟ انھوں نے کہا: ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا جو کپڑے باندھنے ہیں وہ باندھ لو پھر لنگی پہن کر میرے ساتھ لیٹ جاؤ، کیونکہ رات آدھی ہوگئی تھی، گھر میں کوئی چراغ نہیں... اس لئے آپ نے فرمایا لنگی باندھ کر میرے ساتھ لیٹ جاؤ۔

یہ زندگی میں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، مسئلہ کا بیان ہے سنت نہیں ہے، جب حضرت عائشہ یہ واقعہ بیان کرتیں تو ساتھ ہی یہ بھی کہتیں "وایکم یملك اربه" تم میں سے کون اپنی خواہش پر کنٹرول کرسکتا ہے؟ یعنی اسے سنت سمجھ کر حالت حیض میں بیوی کو ساتھ نہ لٹاؤ ورنہ گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے'' (بلفظہ)

Ⓙ فاضل محترم کی اس طویل عبارت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

(الف) موصوف اس واقعہ کی منظر تراشی ان الفاظ میں کررہے ہیں، رات آدھی ہوگئی ہے، گھر میں کوئی چراغ نہیں ہے اس سے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ بحالت حیض ساتھ لٹانا بدرجہ مجبوری تھا۔

(ب) یہ زندگی میں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے۔

(ج) حضرت عائشہ جب اس واقعہ کا ذکر کرتیں تو ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کرتیں کہ تم لوگ سنت سمجھ کر ایسا مت کرنا ورنہ مبتلائے گناہ ہو جاؤ گے۔

مگراسے کیا کیجئے کہ موصوف کی ان تینوں باتوں میں سے کسی ایک کو بھی نہ صرف یہ کہ روایات کی تائید حاصل نہیں ہے بلکہ حدیث کی روایتوں سے سارا معاملہ ان کے برعکس ثابت ہورہا ہے، مسئلہ زیر بحث سے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ اور دیگر امہات المؤمنین سے مروی احادیث نقل کی جارہی ہیں انھیں ملاحظہ کر کے فیصلہ خود کیجئے۔

حدیث ۱ : قال خِلاس الهَجَري: سمعت عائشة تقول: كنت أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم نبيت في الشعار الواحد وأنا حائض وطامث، الحديث" (سنن ابوداؤد، ج:۱،ص:۳۵ وقال المنذري أخرجه النسائي وهو حسن مختصر سنن أبي داؤد، ج:۱،ص:۱۳۵)

میں نے حضرت عائشہ سے فرماتے ہوئے سنا کہ میں اور اللہ کے رسول ﷺ (ہم دونوں) ایک ہی چادر میں رات گزارتے تھے حالانکہ میں حالت حیض میں ہوتی۔

حدیث ۲ : عن عمرو بن أبي سلمة عن ابيه عن عائشة رضي الله عنها أنها كانت تنام مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي حائض، وبينهما ثوب" (التمہید لابن عبدالبر، ج:۳،ص:۱۶۶ او قال إسناد حديث عائشة صحيح، وذكره الحافظ البوصيري في اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشره، ج:۲،ص:۶ وقال هذا إسناد رجاله ثقات)

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوتی تھیں؛ حالانکہ وہ بحالت حیض ہوتیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیثوں کے الفاظ کی ترکیب بتارہی ہے کہ یہ مستمر معمول تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ نہیں ہے۔

حدیث ۳ : حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ میں ایک چادر میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ سوئی تھی کہ میرا حیض شروع ہوگیا، میں چپکے سے آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ گئی اور حیض کے زمانے میں پہنے جانے والے کپڑے کو پہن لیا، آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کیا تجھے حیض آ گیا؟ میں نے کہا: ہاں "فدعاني فاضطجعت معه في الخميصة"

تو آنحضرت ﷺ نے مجھے بلایا کہ آؤ لیٹ جاؤ تو میں آپ کے ساتھ چادر میں لیٹ گئی (صحیح بخاری مع فتح الباری، ج:۱،ص:۵۳۰وصحیح مسلم مع شرح النووی، ج:۱،ص:۱۴۲)

حدیث ۴ :ام المومنین حضرت میمونہ کا بیان ہے کہ كان رسول الله ﷺ ينضجع معي وأنا حائض وبيني وبينه ثوب (صحیح مسلم، ج:۱،ص:۱۴۲)

آنحضرت ﷺ میرے ساتھ لیٹے تھے، حالانکہ میں حیض سے ہوتی میرے اور آپ ﷺ کے درمیان کپڑا حائل ہوتا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے الفاظ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہی ہمیشہ کا معمول تھا کوئی ایک بار کا واقعہ نہیں ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ فاضل محترم یہ فرمادیں کہ یہ سب تو سنت نہیں احادیث ہیں اور احادیث حجت نہیں ہیں؛ اس لئے ایک ایسی حدیث پیش کی جارہی ہے جسے سنت وحجت ماننے میں شاید موصوف کو بھی تامل نہ ہو اور احتیاطاً ترجمہ کی بجائے حدیث کے الفاظ نقل کئے جارہے ہیں۔

حدیث ۵ : عن الزهري قال: اخبرني حبيب مولى عروة بن الزبير أن نُدبة مولاة ميمونة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أخبرته أنها أرسلتها ميمونة إلى عبد الله بن عباس في رسالة، فدخلت عليه فإذا فراشه معزول عن فراش امرأته، فرجعت إلى ميمونة فبلّغتها رسالتها ثم ذكر ذلك فقالت لها ميمونة: ارجعي إلى امرأته فسليها عن ذلك، فرجعت إليها فسألتها عن ذلك فاخبرتها أنها إذا طمست عزل أبو عبدالله فراشه عنها فأرسلت ميمونة إلى عبد الله بن عباس فتغيظت عليه، وقالت: أترغب عن سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوالله إن كانت المرأة من أزواجه لتأزر بالثوب ما يبلغ أنصاف فخذيها ثم يباشرها بسائر جسدها (السنن الكبرى للبيهقي واللفظ له ج:١،ص:٣١٣، ورواه عبدالرزاق في مصنفه ج١، ص:٣٢١، والنسائي في سننه ج١،ص:٤٥)

آنحضرت ﷺ کی زوجۂ مطہرہ میمونہ کی باندی ندبہ نے بیان کیا کہ انھیں حضرت

میمونہ نے (اپنے بھانجے) عبداللہ بن عباسؓ کے یہاں کسی پیغام کے لئے بھیجا یہ حضرت عبداللہ بن عباس کے گھر گئیں تو دیکھا کہ ان کا بستر بیوی کے بستر سے الگ ہے، وہاں سے واپس لوٹیں اور حضرت میمونہ کو ان کا مطلوبہ پیغام پہنچادیا بعد ازاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کی بیوی کے بستروں کی علاحدگی کا تذکرہ کیا، تو حضرت میمونہ نے ان سے کہا عبداللہ بن عباسؓ کی بیوی کے پاس جا اور اس کے متعلق پوچھ، تو وہ لوٹ کر ان کے پاس گئیں اور ان سے بستروں کے الگ الگ ہونے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ جب میں حیض سے ہوتی ہوں تو اُن کے شوہر عبداللہ بن عباسؓ اپنا بستر ان سے الگ کرلیتے ہیں۔ (ندبہ نے واپس آکر حضرت میمونہ کو یہ بات بتائی) تو حضرت میمونہ نے عبداللہ بن عباسؓ کو بلا بھیجا (وہ آئے) تو انھیں ڈانٹ پلائی، اور کہا کیا تو رسول اللہ ﷺ کی سنت (طریقہ) سے اعراض کرتا ہے، بخدا آپ ﷺ کی بیویاں (حیض کے زمانہ میں) (ناف سے لے کر) آدھی رانوں تک کپڑا باندھ لیا کرتی تھیں پھر آپ ﷺ ان کے (کپڑے سے مستور حصہ بدن کے علاوہ) سارے جسم سے مباشرت فرماتے تھے۔

ان صحیح احادیث کو بغور پڑھئے، کیا فاضل محترم کی بیان کردہ کوئی بات ان سے میل کھارہی ہے، موصوف کو اصرار ہے کہ یہ سنت نہیں؛ بلکہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے اور وہ بھی بوجہ مجبوری، جبکہ یہ زوجات مطہرات، بالخصوص ام المومنین حضرت میمونہ رضوان اللہ علیہن صاف اور واضح لفظوں میں بتارہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی یہ سنت وعادت تھی کہ ایام مخصوص میں بھی آپ ان کے ساتھ ایک ہی بستر پر لیٹا کرتے تھے۔

(۲) آخر میں فاضل محترم لکھتے ہیں کہ ''جب حضرت عائشہ یہ واقعہ بیان کرتیں تو ساتھ یہ بھی کہتیں! "وأیکم یملك اِرْبَه" تم میں سے کون اپنی خواہش پر کنٹرول کرسکتا ہے؟ یعنی اس کو سنت سمجھ کر حالت حیض میں بیوی کو ساتھ نہ لٹاؤ ورنہ گناہ میں مبتلا ہوجاؤگے۔ (بلفظہ)

موصوف کی اس عبارت میں دو باتیں محل نظر ہیں: (۱) آں موصوف نے اس

مثال میں جس حدیث کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے حیض کے زمانہ میں حضرت عائشہؓ سے فرمایا لنگی باندھ کر میرے ساتھ لیٹ جاؤ، اس حدیث کو امام مالکؒ نے ''موطا'' میں اپنے شیخ ربیعۃ الرائیؒ سے منقطعاً اور امام بیہقی نے ''السنن الکبریٰ'' میں عطا بن یسارؒ سے موصولاً ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔

عن عائشة قالت: كنت مع رسول الله في لحاف واحد، فانسللت، فقال: ما شأنك؟ فقلت: حضت، فقال شدي عليك إزارك ثم ادخلى'' (واللفظ للبيهقي) اس روایت کے بارے میں حافظ ابن عبدالبر التمہید میں لکھتے ہیں کہ ولا أعلم أنه روى من حديث عائشة بهذا اللفظ البتة'' (ج:۳،ص:۱۶۲) اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس روایت میں ''أيكم أملك إربه'' کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ یہ الفاظ ایک دوسری حدیث کے ہیں جو سند اور متن ہر لحاظ سے اس سے الگ ہے، اس لئے موصوف کا یہ کہنا کہ ''حضرت عائشہ'' جب یہ واقعہ بیان کرتیں تو ساتھ ہی یہ بھی کہتیں ''أيكم أملك إربه'' درست نہیں ہے؛ بلکہ یہ ''إدخال متن في متن آخر'' کے قبیل سے ہے جس کا حکم آں موصوف اچھی طرح جانتے ہوں گے۔

(۲) پھر فاضل محترم نے حضرت عائشہ کے جملہ ''وأيكم يملك إربه'' کا معنی و مراد یہ بیان کیا ہے کہ ''تم میں سے کون اپنی خواہش نفس پر کنٹرول کرسکتا ہے؟ یعنی اس کو سنت سمجھ کر حالت حیض میں بیوی کو ساتھ نہ لٹاؤ ورنہ گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن عائشة قالت: كانت إحدانا إذا كانت حائضاً فأراد رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يباشرها أمرها أن يتّزر في فور حيضها ثم يباشرها، قالت: وأيكم يملك إربه، كما كان النبي صلى الله عله وسلم يملك إربه (صحیح بخاری بشرح فتح الباری، ج:۱،ص:۵۳۲،وصحیح مسلم بشرح نووی ج:۱،ص:۱۴۱)

یعنی حضرت عائشہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو اس کے آخر میں فرمایا اور تم میں سے کون اپنے جی کی خواہش پر یوں قابو یافتہ ہے جس طرح اللہ کے نبی ﷺ اپنی خواہش

پر قابو رکھتے تھے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ آں محترم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس تشبیہی قول میں یہ تصرف کیا کہ اس کے جز ''مشبہ بہ'' کما کان النبی الخ کو حذف کر دیا اور مشبہ کو ایک مستقل جملہ بنا دیا، اور اس میں واقع لفظ ''من'' استفہامیہ کو استفہام انکاری کے معنی پر محمول کر کے اوپر مذکور مطلب برآمد کر لیا، موصوف کے اس مطلب کے برعکس حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

والمراد، أنه كان أملك الناس لأمره فلا يخشى عليه ما يخشى على غيره من أن يحوم حول الحمى، ومع ذلك، فكان يباشر فوق الإزار تشريعاً لغيره.

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قول کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے معاملہ پر سب سے زیادہ قابو تھا، لہٰذا آپ ﷺ کے حق میں وہ اندیشہ نہیں ہوسکتا تھا، جو اندیشہ دیگر لوگوں کے متعلق اس موضع ممنوع کے قریب گھومنے سے کیا جاتا ہے، اس عدم اندیشہ کے باوجود آپ امت کے لئے حکم شرعی بیان کرنے کی غرض سے مباشرت فوق الازار یعنی ناف سے اوپر گھٹنے سے نیچے کرتے تھے۔

آں محترم کے بیان کردہ مطلب اور حافظ عسقلانیؒ کی بیان کی ہوئی مراد میں فرق کس نوعیت اور درجہ کا ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

(۸) چوتھی مثال پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ایک مرتبہ جب تکبیر ہوئی تو نبی ﷺ اپنی نواسی کو گود میں لئے ہوئے گھر سے تشریف لائے اور اس بچی کو گود میں اٹھائے ہوئے نماز پڑھائی جب سجدہ کرتے بچی کو نیچے بٹھا دیتے، اگلی رکعت میں پھر اس کو گود میں لے لیتے تھے، آپ نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ یہ عمل کیا ہے اور یہ بھی مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا... اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سنت ہے اور وہ چھوٹے بچے کو گود میں لے کر نماز پڑھے تو اس سے کہا جائے گا یہ سنت نہیں ہے، یہ عمل تو مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، پس یہ حدیث ہے، سنت نہیں۔

ج (۱) فاضل محترم نے جس حدیث پاک کی اپنے الفاظ میں یہ تعبیر کی ہے اس کے اصل الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

عن أبي قتادة الأنصاری قال: رأیت النبي صلی اللّٰه علیه وسلم یؤمّ الناس وأمامة بنت أبي العاص وهي بنت زینب بنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی عاتقه فإذا رکع وضعها وإذا رفع من السجود أعادها. (صحیح مسلم بشرح نووی، ج:۱،ص:۲۰۵)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور امامہ بنت ابی العاص - جو آپ کی صاحبزادی زینب کی بیٹی ہیں - آپ کے کندھے پر ہیں جب رکوع کیا تو انھیں زمین پر رکھ دیا اور جب سجدوں سے اٹھے تو انھیں پھر کندھے پر اٹھالیا (ایک روایت میں علی عاتقه کی بجائے علی عنقه کے الفاظ ہیں عنق کے معنی گردن کے ہیں۔

بچے کو کندھے یا گردن پر رکھ کر سنت کے مطابق قیام بآسانی کیا جا سکتا ہے، لیکن گود میں لے کر اس طرح قیام ممکن نہیں، موصوف نے عاتق وعنق کا معنی گود سے پتہ نہیں کیوں کیا، جبکہ اردو محاورہ میں بھی گود میں لینے اور کندھے پر بٹھانے میں فرق ہے کندھے پر بٹھانے کو گود میں لینا نہیں کہا جاتا ہے، کتاب وسنت کی نصوص کے تراجم میں اس طرح کی سہل پسندی محتاط علماء کی نظروں میں پسندیدہ نہیں ہے۔

امام نوویؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فیه دلیل لصحة صلوٰة من حمل آدمیًا أو حیوانا طاهرا من طیر وشاة وغیرهما، وأن ثیاب الصبیان وأجسادهم طاهرة حتی یتحقق نجاستها، وان الفعل القلیل لا تبطل الصلوة، وأن الأفعال إذا تعدت ولم تتوال بل تفرقت لا تبطل الصلوٰة...

بعض ضروری مباحث پر گفتگو کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

فالصواب الذي لا معدل عنه أن الحدیث کان لبیان الجواز، والتنبیه

على هذه الفوائد فهو جائز لنا و شرع مستمر للمسلمين الى يوم الدين.

یہ حدیث درج ذیل احکام کی حجت ودلیل ہے۔

(۱) جو شخص کسی پاک آدمی یا جانور چڑیا یا بکری کو اپنے اوپر اٹھا کر نماز پڑھے تو نماز صحیح ہے، (۲) بچوں کے کپڑے یا بدن پر نجاست جب تک ظاہر و معلوم نہ ہو وہ پاک ہیں، (۳) عمل قلیل نماز کو باطل نہیں کرتا، (۴) افعال مذکورہ جبکہ پے در پے نہ ہوں؛ بلکہ الگ الگ ہوں نماز کو باطل نہیں کرتے وغیرہ۔

لہٰذا صواب اور درست بات جس سے ہٹا نہیں جاسکتا یہی ہے کہ یہ حدیث بیانِ جواز نیز ان فوائد پر متنبہ کرنے کے لئے ہے، پس یہ عمل ہمارے لئے جائز ہے اور قیامت تک کے لئے ہم مسلمانوں کے حق میں حکم شرعی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اس کو طریقہ اور عادت نہیں بنایا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ صورت کبھی پیش آجائے تو اس کا حکم کیا ہے آنحضرت ﷺ نے اپنے عمل سے اس کا حکم بیان کردیا لہٰذا اگر آپ کے اس عمل کو اپنی جانب سے کوئی نام دے کر اس کی حجیت سے انکار کردیا جائے تو پھر اس کے لئے دلیل شرعی کیا چیز ہوگی؟

اسی مسئلہ سے متعلق ایک اور حدیث ملاحظہ کریں۔

عن أبي هريرة قال: كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم العشاء فإذا سجد وثب الحسن والحسين على ظهره فاذا رفع رأسه أخذهما من خلفه أخذا رفيقاً ويضعهما على الأرض فإذا عاد، عادا حتى قضى صلوٰته، (منتقی الاخبار بشرح نیل الاوطار، ج:۲،ص:۱۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے، تو آپ ﷺ جب سجدہ میں گئے حسن وحسین کود کر آپ ﷺ کی پشت پر بیٹھ گئے، پھر آپ نے جب سجدہ سے سر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو نواسوں کو پیچھے سے آہستگی و نرمی کے ساتھ پکڑا اور زمین پر رکھ دیا آپ جب پھر سجدہ میں گئے تو یہ دونوں پھر پشت پر آبیٹھے۔ (آنحضرت ﷺ کا انھیں نرمی سے پکڑ کر زمین پر رکھنا اور ان کا بوقت

سجدہ کو دکر پشت پر آ جانا جاری رہا) یہاں تک کہ آپ نے نماز پوری فرمالی۔

(۲) اسی چوتھی مثال کے تحت چھوٹے بچوں کا مساجد میں داخل ہونے کا مسئلہ بھی ذکر کیا ہے چنانچہ ''ناسمجھ بچوں کا مسجد میں لانا ممنوع ہے'' کا عنوان قائم کر کے اس ممانعت کی دلیل میں ابن ماجہ کی یہ روایت پیش کی ہے ''جنبوا مساجد کم صبیانکم'' اپنی مسجدوں کو اپنے (ناسمجھ) بچوں سے بچاؤ جب تک بچے پاکی ناپاکی کو نہ سمجھیں اور مسجد کا احترام نہ جانیں، بچوں کو مسجد میں لانا منع ہے، لوگ یہ حدیث پیش کرتے ہیں، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ عمل مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، سنت نہیں تھا'' (بلفظہ)

حیرت ہے کہ نواسی رسول ﷺ امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا سے متعلق یہ حدیث جو اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے، جس کی شرح کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ عینیؒ وغیرہ شراح حدیث بصراحت لکھتے ہیں کہ: اس حدیث سے بچوں کو مسجد میں لانے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس کے بارے میں تو فرما رہے ہیں کہ لوگ یہ حدیث پیش کرتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ عمل مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا سنت نہیں'' یعنی مساجد میں ادخال صبیان کے جواز پر اس حدیث سے استدلال نہ کیا جائے، (واللہ اعلم) اور اس کے مقابلہ میں ابن ماجہ کی یہ روایت پیش کر رہے ہیں ''جنبوا مساجد کم صبیانکم'' جبکہ یہ روایت انتہائی ضعیف اور لائق استدلال واحتجاج نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں ایک راوی ''حارث بن نبہان'' متروک ہیں اور ان کے شیخ ''عتبہ بن یقظان'' ضعیف ہیں اور ان کے شیخ ابو سعیدؒ مجہول ہیں، اور ان کے شیخ ''مکحول'' اگر چہ متفق علیہ امام حدیث وفقہ ہیں اور اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں، لیکن ان کی لقاء حضرت واثلہ بن اسقع سے جن سے یہ روایت کر رہے ہیں مختلف فیہ ہے، یہ حال ہے اس روایت کا جس سے موصوف استدلال فرما رہے ہیں (۱)۔

مزید وضاحت کے لئے ذیل میں بچوں کے مساجد میں لانے یا آنے سے متعلق

(۱) ان مذکورہ راویوں کے لئے دیکھئے، تہذیب التہذیب، وتہذیب الکمال وغیرہ۔

چند احادیث صحیحہ نقل کی جارہی ہیں۔

(الف) عن أنس كان رسول الله يسمع بكاء الصبيّ وهو في الصلوٰة فيقرأ بالسورة الخفيفة أو بالسورة القصيرة. (صحیح مسلم بشرح نووی، ج:۱،ص:۱۸۸)

آنحضرت ﷺ بحالتِ نماز چھوٹے بچہ کے رونے کو سنتے تو ہلکی یا چھوٹی سورۃ قراۃ کرتے تھے۔

(ب) عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إني لأدخل في الصلوٰة أريد إطالتها فأسمع بكاء الصبي فأخفف من شدة وجد أمه به (ایضاً)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں نماز میں داخل ہوتا ہوں بایں ارادہ کہ اسے دراز اور لمبی کروں گا کہ بچے کے رونے کی آواز میرے کانوں میں آتی ہے، تو اس بچے کے رونے سے اس کی ماں کی شدت غم کی وجہ سے میں نماز کو ہلکی اور مختصر کردیتا ہوں۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو عورتیں مسجد نبوی میں نماز کے لئے آتی تھیں، وہ اپنے بچوں کو بھی ساتھ لاتی تھیں۔

عن أبي هريرة قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم سوق بني قينقاع متكئاً على يدىّ فطاف، ثم رجع فاحتَبَى في المسجد، وقال: اين لكاع، ادعوا لىّ لكاعاً فجاء الحسن فاشتد حتى وثب في حبوته فدخل فمه في فمه ثم قال: اللّهم إني أحبّه فأحِبّه وأحبّ من يحبّه ثلاثاً" (مسند احمد ج۲ ص۵۳۳رقم الحدیث۱۰۹۰۴)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، میرے ہاتھوں پر سہارا کئے ہوئے بنی قینقاع کے بازار میں گئے اور گھومے، پھر واپس آئے اور مسجد میں گوٹ مار کر بیٹھ گئے پھر فرمایا: منا کہاں ہے؟ میرے پاس منّے کو بلا کر لاؤ، تو حسن آئے اور دوڑتے ہوئے آپ کی گود میں کود کر بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے اپنا منہ ان کے منہ سے لگادیا

پھر یہ دعا فرمائی اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، لہٰذا آپ بھی اس کو اپنا محبوب بنا لیجئے، اور اسے بھی جو اس سے محبت کرے یہ دعا آپ نے تین بار فرمائی۔

(ج) عن بريدة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطبنا، إذ جاء الحسن والحسين - عليهما قميصان أحمران - ويعثران فنزل رسول الله صلى الله عليه وسلم من المنبر فحملهما ووضعهما بين يديه. (الحديث)

(مشکوٰۃ بشرح مرقات، ج:۱۱، ص:۱۳۱۵ اخرجہ اصحاب السنن الاربعۃ)

حضرت بریدہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دے رہے تھے کہ حسنین رضی اللہ عنہما گرتے پڑتے آئے ان کے بدن پر سرخ دھاری کی قمیص تھی، (نواسوں کو اس طرح آتے ہوئے دیکھ کر فرط محبت میں خطبہ موقوف کر کے) منبر سے اترے اور انھیں گود میں اٹھالیا اور اپنے سامنے دونوں کو بٹھا دیا (پھر خطبہ میں مصروف ہو گئے)

بغرض اختصار صرف تین احادیث پر اکتفار کیا جا رہا ہے ورنہ اس باب میں مزید حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں، ان مذکور روایتوں میں سے پہلی روایت کی شرح میں امام نوویؒ لکھتے ہیں "وفيه أن الصبي يجوز إدخاله في المسجد وإن كان الأولى تنزيهه المسجد عمن لا يؤمن منه حدث" (ج۱، ص:۱۸۸)

اس حدیث میں دلیل و حجت ہے کہ بچے کو مسجد میں لانا جائز ہے، اگرچہ ایسے بچے جن کے پیشاب پیخانہ کر دینے سے اطمینان نہ ہو، تو مسجد کو ان سے پاک صاف رکھنا ہی اولیٰ ہے۔

(۹) بعد ازاں یہ سوال قائم کر کے کہ "ہم کیسے جانیں کہ حضور ﷺ نے یہ جو عمل کیا ہے وہ مسئلہ نہیں ہے، مصلحت ہے، اس کے پہچاننے کی کسوٹی کیا ہے؟ جواب کسوٹی صحابہؓ کا عمل ہے صحابہؓ نے اس پر عمل کیا ہے یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو وہ سنت ہے، ورنہ وہ عمل کسی مصلحت سے ہے آپ صحابہؓ کا پورا دور دیکھیں،

۱- کسی صحابیؓ نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

۲- ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ کسی صحابیؓ نے حالت حیض میں بیوی کو ساتھ لٹایا ہو۔

۳- اور کبھی بھی کسی صحابی نے بچے کو گود میں لے کر مسجد میں آ کر نماز نہیں پڑھی ہے'' (بلفظہ)

(ج) ۱- آپ دیکھ رہے ہیں کہ فاضلِ محترم دعویٰ پر دعویٰ کیئے جا رہے ہیں، مگر دلیل و ثبوت ندارد، کسے جرأت ہے کہ آں موصوف کے گوش گزار کر سکے کہ علمی مباحث بالخصوص منقولات میں نقول ہی کام آتی ہیں، دعویٰ محض نہیں، کیونکہ علم و تحقیق کی سلطنت میں یہ سکہ کم عیار رہے۔

جائزہ (٦) میں علامہ عینی کی ''عمدۃ القاری'' کے حوالہ سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ، ان کے صاحبزادے عبداللہ، زید بن ثابت، سہل بن سعد رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہؓ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ثابت ہے۔

پھر سید التابعین سعید بن مسیّب، عروۃ بن زبیر، محمد بن سیرین، زید بن اصم، عَبیدہ سلمانی، ابراہیم نخعی، حکم بن عتیبہ، عامر شعبی، اور ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل، اور فقہاء محدثین میں سے اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ وغیرہ کے مذہب میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مباح ہے، علاوہ ازیں مصنف ابن ابی شیبہ میں جید سند سے حضرت علیؓ کا بحالت قیام پیشاب کرنا ثابت ہے۔ نیز حضرت انس بن مالک اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہ عمل نقل کیا جاتا ہے، پھر حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ قول کہ "البول قائماً أحصن للدبر" امام بیہقی وغیرہ نے بسند قوی ذکر کیا ہے، بایں ہمہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ ''آپ صحابہ کا پورا دور دیکھیں کسی صحابیؓ نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا ہے۔ (یا للعجب)

رہا مسئلہ بحالتِ حیض بیوی کے ساتھ لیٹنے کا تو ندبہ کے طریق سے مروی روایت ذکر کی جا چکی ہے، جس میں ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا نے اس حالت میں بیوی کے ساتھ لیٹنے کو اللہ کے رسول ﷺ کی سنت و عادت بتایا ہے، جس کے ترک پر اپنی بہن کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سرزنش بھی فرمائی، کیا حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ خالہ محترمہ ام المومنین کی اس اطلاع و سرزنش کے باوجود بھی وہ اپنے قدیم طرز عمل پر قائم رہے؟

نیز اس روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا عام معمول یہی تھا کہ بہر حال زوجین کا ایک ہی بستر ہوا کرتا تھا، اگر ان کی یہ طرز معاشرت نہ ہوتی تو حضرت ابن عباسؓ کے گھر دو بستروں کو دیکھ کر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے اس کے تذکرہ کی جانب ندبہ کا التفات ہی نہ ہوتا؛ کیونکہ عادت الناس یہی ہے کہ روزمرہ کے معمولات کے بارے میں باہم تذکرہ نہیں کرتے؛ البتہ اگر کوئی نادر، انوکھی چیز سامنے آتی ہے تو اس کے ذکر کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور پھر لوگ اس کو ذکر کئے بغیر نہیں رہتے'' (واللہ اعلم)

ضروری وضاحت

حضرات محدثین اور بالخصوص ائمہ اصول حدیث پاک کے معمول بہا ہونے کے لئے جہاں بعض دیگر امور کا ذکر کرتے ہیں، وہیں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اس پر صحابہ کرامؓ کا عمل رہا ہو، یا ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے اسے قبول کیا ہو، اسی وقت اس حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ امام ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں ظاہری امام حافظ ابن حزمؒ کے تذکرہ میں ان کے اس قول پر کہ ''أنا اتبع الحق، وأجتهد، ولا اتقید بمذهب'' ایک نہایت قیمتی تبصرہ کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو واقعی مرتبہ اجتہاد پر فائز ہے اس کے لئے تقلید کی گنجائش نہیں، جیسے فقیہ مبتدی عامی کے لئے کسی حال میں اجتہاد روا نہیں ہے، اور فقیہ منتہی جو مرتبۂ اجتہاد مقید کا حامل ہے اور اس میں ائمہ کے دلائل پر نظر کی اہلیت پیدا ہوگئی ہے تو جب اس پر حق واضح ہو جائے اور اس حق میں کوئی ایسی نص ثابت ہو جائے، جس پر ائمہ اعلام میں سے کسی نے عمل کیا ہے مثلاً جیسے امام ابوحنیفہؒ، یا جیسے امام مالکؒ، یا سفیان ثوریؒ، یا امام اوزاعیؒ، یا امام شافعیؒ، وابوعبیدؒ واحمدؒ واسحاقؒ، تو وہ اس مسئلہ میں حق کی اتباع کرے الخ (ج ۱۸ ص ۱۹۱)

یہاں یہ تصور صحیح نہیں ہوگا کہ یہ حضرات رسولِ خدا ﷺ کی حدیث کو اس وقت تک اہمیت نہیں دیتے؛ جب تک کہ اس پر امت کے مذکورہ طبقہ کی مہر اخذ وقبول ثبت نہ ہو جائے۔ حدیثِ رسول کی عظمتوں کے ان نگہبانوں کے متعلق یہ خیال ان پر سراسر

زیادتی ہوگی، بلکہ ان بزرگوں کا اذعان ویقین یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ثابت شدہ حدیث کے ترک پر پوری امت کا اتفاق ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ذخیرہ احادیث میں وہ روایتیں جن پر نہ صحابہؓ نے عمل کیا ہے اور نہ ہی ائمہ مجتہدین نے تو ان کے نزدیک یہ لازمی طور پر منسوخ ہوں گی۔

اپنے اسی برحق نظریہ کی بنا، پر غیر مجتہد کے حق میں یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ براہ راست کسی حدیث پر عمل اس کے لئے اسی وقت روا ہوگا؛ جبکہ وہ حدیث صحابہؓ یا ائمہ اعلامؒ کی معمول بہا ہو ورنہ وہ اپنے علمِ ناقص کی بنا، پر منسوخ کو دلیل وحجت ماننے کی خطرناک غلطی میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

فاضل محترم نے اپنے مجوّزہ مادہ افتراق کے ضمن میں تیسری قسم کی مثال میں جن پانچ احادیث کو پیش کیا ہے، محدثین واصولیین کے اس ضابطہ کے معیار پر سب کی سب معمول بہا اور حجت ہیں؛ جبکہ آں موصوف کے نزدیک یہ حجت نہیں ہیں۔

(۱۰) آخری پانچویں مثال میں لکھتے ہیں:

انہی مصلحتوں میں ایک مصلحت تعلیمِ امت بھی ہے، جب حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو بیس دن ٹھہرے ہیں اور ساٹھ جہری نمازیں آپ کے پیچھے پڑھی ہیں، ان میں سے تین نمازوں میں آپ ﷺ نے زور سے آمین کہی ہے، یہ جہر حضرت وائل کی تعلیم کے لئے تھا، پس یہ بھی حدیث ہے سنت نہیں ہے۔

(ج) آمین بالسر، یا آمین بالجہر سے متعلق روایتیں سنت ہیں یا حدیث جس کا جو جی چاہے نام رکھ لے، یہ دونوں احادیث تو ان بابرکت حدیثوں میں سے ہیں جن کے مجموعہ پر عمل میں امت متفق ہے صحابۂ کرامؓ کے عہد خیر مہد سے آج تک دونوں پر عمل جاری وساری ہے، اور بلا اختلاف زور سے آمین کہنے کو پسند کرنے والے آہستہ آمین کو بھی جائز سمجھتے ہیں، اسی طرح آہستہ آمین کو اختیار کرنے والوں کے نزدیک بلند آواز سے آمین کہنا بھی روا ہے۔ یہ کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے؛ بلکہ عملی تنوع ہے، جس سے دونوں حدیثوں پر عمل کی راہیں استوار ہوگئی ہیں۔ "فتبارك الله أحسن الخالقين"

پہلے مادہ افتراقی پر تفصیل سے کلام کے بعد لکھتے ہیں:

(۱۱) دوسرا مادۂ افتراقی: اور کچھ چیزیں سنت ہیں مگر حدیث نہیں ہیں وہ خلفائے راشدین کی سنتیں ہیں۔

(ج) ۱- حدیث وسنت کی اصطلاحی تعریف کے ضمن میں یہ بات گذر چکی ہے کہ متقدمین ائمہ حدیث آنحضرت ﷺ سے منقول مرفوع احادیث کو سنت سے اور صحابہ و تابعین کے اقوال وفتاویٰ کو حدیث سے تعبیر کرتے تھے، نیز یہ بات بھی بیان کی جا چکی ہے کہ متاخرین محدثین کا ایک طبقہ صحابۂ کرامؓ کے اقوال کو بھی حدیث کی تعریف میں داخل کرتا ہے، لہٰذا محدثین کی ان دونوں جماعتوں کے نزدیک حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کے اقوال وغیرہ حدیث ہی ہیں، جبکہ آں موصوف فرما رہے ہیں کہ یہ سنت ہیں حدیث نہیں ہیں۔ ائمہ حدیث کی قدیم، رائج اصطلاح کے مقابلہ میں اس نو پید اصطلاح کا جہانِ علم وفن میں کیا مقام ہے؟ آپ سمجھیں۔

۲- پھر خلفائے راشدین کی سنت کو اسلام کے ایک خاص شعبہ کے ساتھ محدود کر دیا گیا ہے، جبکہ حدیث میں لفظ "سنة الخلفاء" مطلق ہے حدیث کے اطلاق کو مقید کرنے کی وجہ اور دلیل ذکر نہیں کی گئی ہے۔ یہ تقیید بھی محل بحث ونظر ہے، مگر یہ مختصر جائزہ اس کا متحمل نہیں ہے۔

موضوع کے بعض متعلقات پر طویل گفتگو کے بعد خلاصہ کلام کے تحت لکھتے ہیں:

(۱۲) میں نے خطبہ میں آیت پڑھی تھی "قل هذه سبيلي أدعوا إلى الله" آپ کہئے یہ میرا راستہ ہے، اسی راستہ کا نام سنت ہے... سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بشکل عنوان یہ انکشاف کیا گیا کہ "حدیث کے حجت ہونے پر کوئی دلیل نہیں" پھر اس بے دلیلی کو اس دلیل سے ثابت کیا گیا ہے کہ "حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا "من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر كذا" اور مشکوٰۃ میں باب ہے "الاعتصام بالكتاب والسنة" اس باب میں چھ روایتیں ہیں، سب میں سنت ہی کا لفظ ہے... پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں "جو لوگ کہتے ہیں کہ حدیث اور سنت ایک

چیز ہے وہ دھوکہ ہے، میرے بھائیو اس دھوکہ میں مت آؤ... سنت اور حدیث ایک چیز نہیں ہے، آخر میں ایک عنوان بایں الفاظ ہے ''آخری چیلنج''، جس کے تحت فرماتے ہیں:

اب آخر میں ایک چیلنج دیتا ہوں اور قیامت کی صبح تک دیتا ہوں کہ: کوئی ایسی حدیث لاؤ، چاہے وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو کہ نبی ﷺ نے حدیث کو مضبوط پکڑنے کا حکم دیا ہے الخ۔

اس طویل اقتباس کا خلاصہ یہ ہے:

۱- آیت پاک میں وارد لفظ ''سَبِیْلِی'' میرا راستہ اسی راستہ کا نام سنت ہے۔

۲- حدیث کے حجت ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

۳- مشکوٰۃ کے باب اعتصام الکتاب والسنۃ میں چھ روایتیں ہیں سب میں سنت ہی کا لفظ ہے۔

۴- حدیث وسنت کو ایک کہنا، دھوکہ ہے، جس سے بچنا چاہئے۔

۵- آخری چیلنج۔

(ج) ۱- فاضل محترم آیت شریفہ کے لفظ ''سَبِیْلِی'' کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ اس ''میرے راستہ کا نام سنت ہے'' جبکہ آیت کا سیاق وسباق بتارہا ہے کہ سبیلی سے مراد توحید خالص ہے، یعنی ایسی وحدانیت جس میں شرک کی ادنیٰ سے ادنیٰ تر کی کوئی گنجائش نہیں، توحید کے باب میں میرا طریقہ یہی ہے، ظاہر ہے آں موصوف کی مصطلحہ سنت سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔

۲- جب بقول آں محترم حدیث حجت نہیں ہے تو پھر حدیث من تمسك الخ سے سنت کے تمسک پر استدلال کا کیا مطلب ہے، پھر اس حدیث میں بھی وارد لفظ سنت بمعنی شریعت ہے، مصطلحہ سنت کے معنی میں نہیں ہے، اس لئے مصطلحہ سنت کے تمسک پر موصوف کو کوئی دلیل پیش کرنی چاہئے۔

۳- موصوف کے الفاظ'' اور مشکوٰۃ میں باب ہے ''الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' اس باب میں چھ روایتیں ہیں، اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس باب

میں کل چھ روایتیں ہیں جب کہ اس میں پچپن احادیث مذکور ہیں، ان میں سے بعض روایتوں میں لفظ سنت آیا ہے مثلاً اسی باب کی تیسری روایت جو حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اَبغض الناس إلى اللّٰه ثلاثة: ملحد في الحرم، مبتغ في الإسلام سنة الجاهلية ومطّلب دم امرئ مسلم بغير حق ليهريق دمه، رواه البخاري (مشكوٰة ص ٢٧)

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں وارد لفظ سنت طریقہ اور راستہ کے معنی ہی میں ہے، بلکہ اس باب کے تحت مروی روایتوں میں سے جس روایت میں بھی یہ لفظ آیا ہے، وہ موصوف کی مصطلحہ سنت کے معنی میں قطعی طور پر نہیں ہے۔ مشکوٰۃ کے محشی حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے باب کے عنوان ''الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' کے لفظ ''السنۃ'' پر درج ذیل حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔

قوله "السنة" المراد بالسنة ههنا أقواله عليه الصلوٰة والسلام وأفعاله وأحواله المعبر عنها بالشريعة والطريقة والحقيقة"

اس مقام پر سنت سے مراد آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال، احوال ہیں، جن کی تعبیر شریعت، طریقت اور حقیقت سے کی جاتی ہے، ظاہر ہے، سنت کے اس معنی کا موصوف کی مراد سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا موصوف کی یہ دلیل بھی ان کے دعویٰ کے مطابق نہیں ہے۔

بندہ کی فہم ناقص میں یہی لفظ ''سنت'' وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گردان کی پوری بحث وتحقیق گھوم رہی ہے، اور اسے اتفاق ہی کہئے کہ اسی جگہ فاضل محترم کے فکر وفہم نے دھوکہ دیدیا کہ لفظ ''سنت'' کی مختلف اصطلاحات واطلاقات کے درمیان فرق وامتیاز کی بجائے انھیں ایک دوسرے سے خلط ملط کر دیا، جس کی بناء پر ان کی یہ تقریر وتحریر پڑھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے کہ: یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ اور اصطلاحات کی باہم اس آمیزش سے ان کا یہ پورا مضمون وہم وایہام کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔

آں محترم نے ابتدا میں سنت کی تعریف "الطريقة المسلوكة في الدين" کے الفاظ سے کی تھی، پھر اس کی وضاحت یوں کی تھی "یعنی دینی راستہ وہ راستہ جس پر مسلمانوں کو چلنا ہے، قرآن میں ہے "قل هذه سبيلي ادعوا الى الله" کہئے یہ میرا راستہ ہے، میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں میرا راستہ، یعنی حضور ﷺ کا راستہ" اسی کے لئے حدیثوں میں لفظ سنت آیا ہے۔ (بلفظہ)

ان کی تشریح وتوضیح سے یہی سمجھ میں آرہا ہے کہ وہ لفظ سنت سے وہی معنی مراد لے رہے ہیں، جس کا مفصل مدلل بیان ملحوظات کے ضمن میں گذر چکا ہے یعنی وہ مشروع طریقہ جس کی اتباع وپیروی دین میں کی جاتی ہے، بالفاظ دیگر منہج نبوی، آپ ﷺ کی طرزِ زندگی جس میں اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاق وغیرہ خواہ وہ فرض ہوں یا واجب وسنت اور مستحب وغیرہ سب ہی شامل ہیں یعنی مکمل شریعت۔

ظاہر ہے کہ لفظ سنت اس مذکور معنی میں شرعی احکام کے لئے دلیل وحجت نہیں ہوگا، کیونکہ شرعی احکام بلکہ پوری شریعت اپنے وجود وثبوت میں اللہ کے نبی ﷺ کے اقوال وافعال سے احتجاج واستدلال کی محتاج ہے، جب تک اس پر آپ ﷺ کے بیان کی مہر ثبت نہ ہوجائے، شرعی احکام کہے جانے کے مستحق نہیں ہوں گے تو پھر یہ کسی دوسرے حکم شرعی کے لئے دلیل وحجت کیسے بن سکتے ہیں، بلکہ صرف اور صرف وہی لفظ سنت احکام دین میں حجت ہوگا جس کی تعریف فقہائے اصول رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر سے کرتے ہیں، اس کے علاوہ لفظ سنت سے متعلق دیگر اصطلاحات واطلاقات اپنی تمام تر افادیت واہمیت کے باوصف باب احتجاج واستدلال میں مؤثر نہیں ہیں۔

لیکن آگے چل کر جہاں حدیث وسنت کی مثالیں پیش کی ہیں، اس سے یہ مفہوم ہورہا ہے کہ وہ "الطريقة المسلوكة" کو مواظبت، عمومی حالات میں معمول بہا کے معنی پر محمول کررہے ہیں؛ اسی لئے وہ امور جو نبی کریم ﷺ سے صرف ایک دوبار صادر ہوئے ہیں؛ انھیں حدیث کا اور جن پر برابر عمل رہا ہے، انھیں سنت کا نام دے رہے ہیں۔

اس مفہوم کے لحاظ سے یہ لفظ سنت فقہائے احناف کی اُس اصطلاحی سنت کے معنی میں ہو جائے گا جس کا درجہ خود آں موصوف نے واجب سے نیچے اور مندوب سے اوپر بیان کیا ہے، اور جس کی تعریف امام فخر الاسلام بزدویؒ نے "الطريق المسلوك في الدين" سے اور محقق ابن ہمامؒ نے "ما واظب على فعله مع ترك ما بلا عذر" کے الفاظ میں ذکر کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس مفہوم کی رو سے بھی ''سنت'' احکام شرعی کی دلیل و حجت نہیں ہوگی، کیونکہ یہ تو بجائے خود ایک حکم شرعی ہے تو دیگر حکم شرعی کے لئے حجت کیونکر ہوگی، پھر اور آگے چل کر جب یہ فرماتے ہیں کہ ''حدیث حجت نہیں سنت حجت ہے'' تو ان کے اس قول سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کو علماء اصول کی اس سنت کے معنی میں مراد لے رہے ہیں، جس کو یہ فقہاء ''ادلۂ اربعہ'' کے ضمن میں بیان کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

زیر نظر اقتباس میں بھی غالباً سنت کو اسی سنت اصولیین کے معنی میں لے رہے ہیں اسی لئے اس کے مقابل حدیث کا ذکر کرتے ہیں، اور اس موقع پر جب یہ معنی مراد لینا صحیح نہیں ہے تو پھر اس چیلنج کی جو حقیقت ہے وہ معلوم ہے۔ عیاں را چہ بیان

کاش کہ فاضل محترم کی یہ تقریر، تقریر ہی کی حد تک رہ جاتی ضبط تحریر میں نہ آتی، کیونکہ اس حالت میں اس کا دائرۂ اثر محدود ہوتا؛ لیکن تحریر میں آجانے سے اس کا دائرہ وسیع بھی ہو گیا ہے اور پائیدار بھی، جس سے اوساط علمیہ میں فاضل محترم کی علمی شخصیت اور عرفی حیثیت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی ہے۔ نیز دیوبندی مکتب فکر کے عیب جویوں کو بیٹھے بٹھائے حرف گیری کا سامان دستیاب ہو جائے گا، اور ان سب سے زیادہ اندیشہ تو اس بات کا ہے کہ عام پڑھے لکھے لوگوں کا ذہن و فکر اس کے پڑھنے کے بعد حدیثِ رسول ﷺ کے بارے میں منفی اثر قبول کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔

۞ ۞ ۞